جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ

دسمبر ۲۰۲۲ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف وحید

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

○ خوبصورت ٹائٹل ○ عمدہ سفید کاغذ ○ معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں

(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)

مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

○ قرآنی رسم الخط ● تفسیری سائز ● مضبوط ریگزین جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں

مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : 71

شمارہ : 12

جُمادی الاُولیٰ 1444ھ

دسمبر 2022ء

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

مُدیر: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت: ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون: حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-(042)35473375

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5

''جوائے لینڈ'' اور مولانا ابوالکلام آزاد — ادارہ

بیانُ القُرآن — 9

سورۃ القلم — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ — 26

جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات — حافظ عاطف وحید

یادِ رفتگاں — 37

واہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ — ڈاکٹر محمد شریف نظامی

دعوتِ فکر — 40

شرم و حیا: شعورِ ذات کا تقاضا — راحیل گوہر صدیقی

تذکیر و موعظت — 47

نظروں کی حفاظت — احمد علی محمودی

انوارِ ھدایت — 61

اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ھماری معیشت — 65

سود: ایک سنگین گناہ — حافظ محمد اسد

سیرتِ صحابہؓ — 69

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ — ارسلان اللہ خان

علومِ قرآنی — 73

اقسامِ وحی اور قرآن حکیم — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

’’جوائے لینڈ‘‘ اور مولانا ابوالکلام آزاد

ٹرانس جینڈر ایکٹ ۲۰۱۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے اس قدر عجلت میں پاس ’’کروایا‘‘ گیا کہ قوم کی اکثریت کو خبر نہ ہوسکی کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک اور مسلمان معاشرے سے کیا کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی میڈیا یوں تو صحافت اور خبر رسانی کے بلند آہنگ دعوؤں میں ساری دنیا کو پیچھے چھوڑنے میں رہتا ہے‘ لیکن جہاں اسلام اور اسلامی معاشرت پر حملوں کی بات آتی ہے تو وہاں چپ سادھ لیتا ہے۔ درحقیقت ہمارا میڈیا بھی ان بین الاقوامی اثرات کی زد میں ہے جو اسلامی معاشرت کو سرے سے مٹانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نائن الیون کے بعد پاکستانی میڈیا نے عالمی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے خدمات سرانجام دیں اسی طرح پاکستانی قوم کو ٹرانس جینڈر ایکٹ کے حوالے سے بھی مکمل اندھیرے میں رکھا گیا۔

۲۰۲۱ء کے اوائل میں جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد نے ٹرانس جینڈر ایکٹ اور پاکستانی معاشرے پر اس کے مضر اثرات سے اعداد و شمار کی روشنی میں آگاہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس قانون کے تحت پاکستانی معاشرے کو قومِ لوط کی معاشرت میں تبدیل کرنے کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف مذہبی حلقوں نے اس قانون کے خلاف آواز اٹھائی۔ عدالتی و قانونی طریقہ کار اپنانے کے راستے ڈھونڈے گئے۔ اس سے پہلے کہ اس غیر شرعی‘ غیر اخلاقی اور انسانیت باختہ قانون کے خلاف کوئی حتمی کامیابی مسلمانانِ پاکستان کو حاصل ہوتی‘ مغرب نواز طبقہ کی جانب سے پاکستانی معاشرت پر دوسرا بڑا حملہ ایک بے ہودہ فلم ’’جوائے لینڈ‘‘ کے ذریعے کیا گیا جس کا مقصد یہاں ہم جنس پرستی کو فروغ دینا ہے۔ یہ فلم ایک شادی شدہ مرد کی ایک ٹرانس جینڈر (یعنی عورت کا روپ دھارے ایک مرد) سے رومانس کی کہانی پر مبنی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

بے ہودگی اور بے حیائی کی اس انتہا کو کانز فلم فیسٹول میں کوئیر پام ایوارڈ بھی مل گیا۔ یہ ایوارڈ ہم جنس پرستی پر بننے والی فلموں کو دیا جاتا ہے۔ یہ بذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ فلم LGBTQ+ ہے۔ اس فلم کے پروڈیوسرز میں زیادہ تر غیر ملکی لوگ شامل ہیں‘ جبکہ پاکستان سے

شامل افراد بھی غیر ملکی ایجنڈے پر ہی عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں۔ ان ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسرز میں ملالہ یوسف زئی‘ سرمد کھوسٹ‘ اپوروا گروچارن (لانس اینجلس میں مقیم بھارتی نژاد امریکی)‘ ثنا جعفری‘ اولیور رج‘ لارن مان‘ کیتھیرین برنسٹ‘ رمن بہرانی وغیرہ شامل ہیں۔ ملالہ یوسف زئی اس فلم کی ایگزیکٹیو پروڈیوسر ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی فلم کے بھی عام طور پر اتنے پروڈیوسر نہیں ہوتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی پنجابی فلم بنانے پر اتنے زیادہ ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسر کیوں اکٹھے ہو گئے ہیں جن میں سے زیادہ تر کو فلم کی زبان بھی سمجھ میں نہیں آتی؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ فلم ایک بہت بڑے شیطانی ایجنڈے کا حصّہ ہے جس کا مقصد پاکستان پر ایک بڑا معاشرتی حملہ کرنا ہے۔ ایجنڈے کے مطابق پاکستان میں اس فلم کی نمائش نومبر ۲۰۲۲ء کے دوسرے عشرے میں ہونی تھی‘ لیکن اس شرم ناک فعل کے خلاف پاکستانی عوام کے احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے اس پر پابندی لگا دی۔ پھر چند روز بعد ہی یہ افسوس ناک خبر آئی کہ وزیراعظم شہباز شریف نے اس فلم پر پابندی کے خلاف نظرثانی کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی بنا دی ہے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس کمیٹی نے فلم کی نمائش کی اجازت دے دی ہے۔ اگرچہ حکومت پنجاب نے اس فلم کی سینما گھروں میں نمائش پر پابندی لگا دی ہے لیکن صاف نظر آ رہا ہے کہ بیرونی دباؤ‘ این جی اوز کے شور و غوغا اور لبرل عناصر کی کمپین کے نتیجے میں وفاقی حکومت کی طرف سے اس فلم کو نمائش کی اجازت دے دی گئی ہے۔

دانشور کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں معاشروں میں اخلاقی اور سماجی اقدار کے بیریئر کو توڑنے کے لیے لائی جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں ۲۰۱۸ء میں ٹرانس جینڈر ایکٹ منظور کر کے پاکستان میں ایک شیطانی معاشرت کے لیے قانونی دروازہ کھولا جا چکا تھا‘ لیکن چونکہ عوام ابھی تک اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے‘ الحمدللہ‘ لہٰذا اب فلم‘ ٹی وی اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سینما میں نمائش اس موضوع کو نارمل اور عام بنانے کی ایک کوشش ہے۔ اہلِ علم و فکر جانتے ہیں کہ اسی انداز میں برسوں پہلے بھارت میں ایک فلم ’’فائر‘‘ بنائی گئی تھی۔ عوامی ردِّعمل کے باوجود بھارتی حکومت نے بھی بین الاقوامی ایجنڈے کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ان موضوعات پر کئی فلمیں اور ٹی وی ڈرامے بنتے چلے گئے‘ جس کی وجہ سے وہاں مشرقی اقدار و روایات کے بیریئر ٹوٹتے چلے گئے۔ چنانچہ آج وہاں مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی یعنی ہم جنس پرستی سمیت شیطانی معاشرت عام اور قانونی طور پر جائز ہو چکی ہے۔

بھارت کا قیام چونکہ ایک سیکولر ملک کے طور پر عمل میں آیا تھا‘ لہٰذا وہاں ایسی چیزوں کا ہونا تعجب پر مبنی نہیں ہوگا‘ تاہم پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ تحریک پاکستان کا سب سے مقبول نعرہ تھا: ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!‘‘ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا نام ہی ایک خاص نظریہ سے منسوب ہوکر مسلمانانِ برصغیر کے دل و دماغ میں رچ بس گیا تھا اور اسی نظریہ کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال‘ عزّت و آبرو‘ گھر بار اور خاندانوں کی قربانیاں دی تھیں۔ دراصل وہ نظریہ روزِ اوّل سے ہی لفظ پاکستان سے جڑا ہوا ہے۔ جب گول میز کانفرنسز میں برصغیر کے ہندو اور مسلم لیڈرز متحدہ ہندوستان کے وفاقی آئین پر غور و فکر کر رہے تھے تو اس وقت لفظ پاکستان پہلی بار اس آفاقی نظریہ کے ساتھ پاکستان ڈکلیریشن (Now or Never) میں سامنے آیا تھا:

"At this solemn hour in the history of India, when British and Indian delegates are laying the foundations of a Federal Constitution for that Sub-continent, we address this appeal to you, in the name of our common heritage, and on behalf of our thirty million Muslim brethren who live in Pakistan."

یہ تھا وہ نظریہ جس نے پاکستان‘ اسلام اور مسلمانانِ برصغیر کے مستقبل کو لازم و ملزوم بنا دیا تھا‘ کیونکہ مسلمانانِ برصغیر کو محسوس ہو گیا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں رہیں گے تو نہ اسلام بچے گا اور نہ مسلمان۔ اسی زمینی حقیقت کی ترجمانی چودھری رحمت علی نے پاکستان ڈکلیریشن میں ان الفاظ میں کی تھی:

"This acceptance amounts to nothing less th an signing the death-warrant of Islam and of Muslims in India."

یہ تھا وہ نظریہ جس کے لیے مسلمانانِ برصغیر اپنے جوان بیٹوں کی گردنیں کٹوانے پر تیار ہو گئے تھے۔ اپنے گھر بار‘ چلتے کاروبار چھوڑنے اور عصمتیں لٹانے پر تیار ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اگر سیکولر اور لبرل معاشرت کو ہی قبول کرنا ہوتا تو وہ متحدہ ہندوستان میں ہی رہ لیتے۔ اتنی زیادہ قربانیوں‘ صعوبتوں اور مصائب و مشکلات کا سامنا آخر کس لیے کیا؟ جواب صرف ایک ہوگا: اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے۔ Now or Never کی صدائے حق بلند کرنے والے چودھری رحمت علی کی کتاب ’’پاکستان‘‘ کے دیباچے میں مترجم کے یہ الفاظ آج بھی موجود ہیں: ’’مسلمانانِ ہند کا ایک ہی خواب تھا کہ ہم کسی طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔‘‘

دوسری طرف برصغیر ہی کے ایک بہت بڑے مسلمان لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد تھے جو

مسلمانوں کی تقسیم کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ دو دھڑوں میں تقسیم ہونے سے مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو جائے گی۔ ہندوستان میں رہنے والے کروڑوں مسلمان جو ہندو اکثریت کے ظلم و ستم کا شکار رہیں گے‘ پاکستان میں بسنے والے مسلمان ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکیں گے‘ اور اسی طرح سے پاکستان میں بسنے والے مسلمان جس معاشرتی‘ اقتصادی کمزوری اور ذہنی پسماندگی کا شکار رہیں گے تو ہندوستان میں بسنے والے مسلمان ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں موقف اپنی جگہ ٹھیک تھے۔ یعنی مسلمانوں نے جس نظریہ کے لیے قربانیاں دیں وہ اپنی جگہ مسلّمہ حقیقت تھا‘ کیونکہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ آج انڈیا میں مسلمان کمزور اقلیت ہونے کی وجہ سے اس قدر مصیبت اور ضعف میں ہیں کہ پھیلتے ہوئے دجالی فتنوں اور منکرات کے خلاف اپنا دینی فریضہ تک ادا نہیں کر سکتے‘ جبکہ دوسری طرف پاکستان میں مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے فیوض و برکات سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکے اور منکرات کے خلاف ان کی مزاحمت کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ ان دونوں ملکوں کے مسلمان اپنی دینی اور معاشرتی اقدار و روایات کی بقا کے لیے آج ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے‘ جبکہ ان پر مسلط طبقات سرعام عالمی ایجنڈے کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آ رہا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور سرکردہ لیڈروں کے جانے کے بعد پاکستان پر اُس اشرافیہ کا قبضہ ہو جائے گا جو انگریز کے سائے میں پلی بڑھی ہے‘ اور ہوا بھی بالکل یہی کہ قائداعظم کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد فرنگ کے سائے میں پلا بڑھا سیکولر اور لبرل طبقہ پاکستان میں اسلام کی ترقی و ترویج میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ آج پاکستان میں ٹرانس جینڈر ایکٹ اور ’’جوائے لینڈ‘‘ جیسی گندگی کے ساتھ ساتھ سود پر مبنی استحصالی نظام بھی اسی سیکولر اشرافیہ کی دین ہے۔ اس نے اپنی عیاشیوں اور من پسند سیاسی پارٹیوں کے غلبہ و اقتدار کے لیے ملک کو قرضوں میں ڈبو دیا۔ اسی وجہ سے عالمی طاقتیں اس اشرافیہ کو بلیک میل کر کے ان سے ہر وہ کام کروا رہی ہیں جو اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے زہر قاتل ہے۔

قائداعظم نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں فرمایا تھا: ’’میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلسِ تحقیق بینکاری کے ایسے طریقے کیونکر وضع کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصوّرات کے مطابق ہوں۔‘‘ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ’’مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ مغرب کو اس تباہی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ (باقی صفحہ 82 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

تمہیدی کلمات

جیسا کہ سورۃ الملک کے تعارف میں بھی بیان ہو چکا ہے‘ زیر مطالعہ مکّی سورتوں میں سے پہلی چھ سورتیں دو ضمنی گروپس پر مشتمل ہیں۔ ہر ضمنی گروپ میں تین سورتیں ہیں‘ جن میں ایک سورت منفرد ہے اور دو جوڑے کی شکل میں ہیں۔ پہلے ضمنی گروپ کی پہلی سورت یعنی سورۃ الملک منفرد تھی‘ جبکہ اس کے بعد کی دو سورتیں یعنی سورۃ القلم اور سورۃ الحاقّہ جوڑے کی شکل میں ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں انباء الرسل کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ سورۃ القلم اپنے گروپ کی تمام سورتوں میں اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد حضور ﷺ پر نازل ہونے والی دوسری وحی اس سورت کی ابتدائی سات آیات پر مشتمل تھی۔ ذاتی طور پر مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ ان سات آیات میں اہلِ مکّہ کے اُس ردِّعمل کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کی پہلی وحی کی خبر پر کیا تھا۔ جب حضور ﷺ نے پہلی مرتبہ لوگوں کو بتایا کہ میرے پاس اللہ ربّ العزت کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آیا ہے تو لوگوں کا پہلا تأثر یہی تھا کہ آپؐ پر کسی جن یا بدروح کا اثر ہو گیا ہے۔ ان میں بیشتر لوگ اپنی اس رائے کا اظہار آپؐ سے ہمدردی کی بنا پر بھی کرتے تھے کہ دیکھیں یہ اچھے بھلے آدمی تھے‘ بیٹھے بٹھائے ان کے ساتھ یہ کیا معاملہ پیش آ گیا ہے۔ البتہ کچھ لوگ یہی باتیں آپؐ کو تنگ کرنے کے لیے طنزیہ اور استہزائیہ انداز میں بھی کرتے تھے۔ ظاہر ہے حضور ﷺ کے لیے یہ صورتِ حال بہت تکلیف دہ تھی کہ آپؐ کی اپنی ہی برادری کے وہ لوگ جو کل تک آپؐ کے قدموں میں نگاہیں بچھاتے تھے اور آپؐ کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے تھے آج آپؐ کو دیوانہ اور

مجنون کہہ رہے تھے۔ چنانچہ اس تکلیف دہ صورتِ حال میں حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے یہ آیات نازل فرمائی گئیں۔ اس سورت کا آغاز اکیلے حرف ’’ن‘‘ سے ہوتا ہے۔ سورۂ ص اور سورۂ ق کے بعد ایک حرف سے شروع ہونے والی یہ تیسری اور آخری سورت ہے۔

آیات ۱ تا ۳۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نٓ وَالۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾ وَ
اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾
فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَیِّیۡکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ
بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۫ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ
الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡہِنُ فَیُدۡہِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ لَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ
مَّہِیۡنٍ ۙ﴿۱۰﴾ ہَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ۙ﴿۱۲﴾
عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ؕ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتۡلٰی
عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُہٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾
اِنَّا بَلَوۡنٰہُمۡ کَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَیَصۡرِمُنَّہَا
مُصۡبِحِیۡنَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ لَا یَسۡتَثۡنُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَیۡہَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّکَ وَ
ہُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصۡبَحَتۡ کَالصَّرِیۡمِ ۙ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِیۡنَ ۙ﴿۲۱﴾ اَنِ
اغۡدُوۡا عَلٰی حَرۡثِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰرِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَانۡطَلَقُوۡا وَ ہُمۡ
یَتَخَافَتُوۡنَ ۙ﴿۲۳﴾ اَنۡ لَّا یَدۡخُلَنَّہَا الۡیَوۡمَ عَلَیۡکُمۡ مِّسۡکِیۡنٌ ۙ﴿۲۴﴾ وَّ غَدَوۡا
عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوۡہَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ ۙ﴿۲۶﴾ بَلۡ نَحۡنُ
مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوۡسَطُہُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ لَوۡ لَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوۡا
سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ
یَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ

يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ ع

آیت ۱ ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱﴾ ''ن' قسم ہے قلم کی اور جو کچھ یہ لکھتے ہیں۔''

یعنی قلم بھی اور جو علمی ذخیرہ قلم کے ذریعہ نوعِ انسانی کے ہاں اب تک وجود میں آیا ہے وہ بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ:

آیت ۲ ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲﴾ ''آپ (ﷺ) اپنے ربّ کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں۔''

اے نبی ﷺ! جو لوگ آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں وہ خود احمق ہیں جو یہ تک نہیں جانتے کہ مجنون کیسے ہوتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو آپؐ کی پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کی حامل سیرت نظر نہیں آتی؟ کیا یہ لوگ واقعتاً سمجھتے ہیں کہ مجنون لوگوں کی زندگی کا نقشہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ تو اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی فضول اور لایعنی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

آیت ۳ ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳﴾ ''اور یقیناً آپ کے لیے تو وہ اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔''

آیت ۴ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ ''اور آپؐ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔''

آپؐ اپنے اخلاق اور کردار کے بلند ترین معیار کے باعث پہلے سے ہی معراجِ انسانیت کے مقام پر فائز تھے' جبکہ اب آپؐ معراجِ نبوت و رسالت کے سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔

آیت ۵ ﴿فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵﴾ ''تو عنقریب آپؐ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔''

یہ بڑا پیارا اور ناصحانہ انداز ہے۔ جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے کو سمجھاتا ہے کہ آپ مخالفانہ باتوں پر آزردہ نہ ہوں' کچھ ہی دنوں کی بات ہے' اصل حقیقت بہت جلد کھل کر سامنے آ جائے گی۔ پھر کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا:

آیت ۶ ﴿بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶﴾ ''کہ تم میں سے کون فتنے میں مبتلا تھا!''

بہت جلد دنیا پر واضح ہو جائے گا کہ تم دونوں فریقوں میں سے کون فتنے میں مبتلا ہو گیا تھا کون راہِ راست پر تھا۔ کیا محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا (معاذ اللہ! آپؐ کے مخالفین جوشِ تعصب میں پاگل ہو گئے تھے؟

آیت ۷ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ﴾ ''یقیناً آپؐ کا ربّ خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے''

﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷﴾ ''اور وہ اُن کو بھی خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ ہیں۔''

یہ وہ آیات تھیں جو اکثر مفسّرین کے نزدیک دوسری وحی میں نازل ہوئی تھیں۔ یہاں سے آگے نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۸ ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان جھٹلانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔''

آیت ۹ ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹﴾ ''وہ تو چاہتے ہیں کہ آپؐ ذرا ڈھیلے پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔''

باطل کا تو وطیرہ ہے کہ پہلے وہ حق کو جھٹلاتا ہے' پھر جب اس کے مقابلے میں کھڑے ہو مشکل نظر آتا ہے تو مداہنت (compromise) پر اُتر آتا ہے۔ لیکن حق کسی قسم کی مداہنت کسی درمیانی راستے کو نہیں جانتا۔ بقول اقبال ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

اگلی آیات میں نام لیے بغیر انتہائی سخت الفاظ میں ایک کردار کا ذکر ہوا ہے۔ کسی معتبر روایت سے تو ثابت نہیں لیکن زیادہ تر مفسّرین کا خیال ہے کہ ان آیات کا مصداق ولید بن مغیرہ تھا:

آیت ۱۰ ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰﴾ ''اور آپؐ مت مانیے کسی ایسے شخص کی بات جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی گھٹیا ہے۔''

ان دونوں خصوصیات کا آپس میں فطری تعلق ہے۔ اپنی شخصیت کے ہلکے پن کی تلا کرنے کے لیے بات بات پر قسمیں کھانا ہر گھٹیا آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لفظ ''مَهِيْن''

ذلیل وحقیر اور گھٹیا آدمی کے لیے بولا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيمٍ ۝١١﴾ ''رُو در رُو طعنے دیتا ہے' چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ۝١٢﴾ ''خیر سے روکنے والا' حد سے بڑھنے والا' گنہگار۔''

آیت ۱۳ ﴿عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝١٣﴾ ''بالکل گنوار ہے' اس کے بعد یہ کہ بداصل بھی ہے۔''

یعنی مذکورہ بالا خصلتیں تو اس کی شخصیت میں ہیں ہی' سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بے نسب بھی ہے۔

آیت ۱۴ ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ۝١٤﴾ ''صرف اس گھمنڈ پر کہ وہ مال و دولت اور بیٹوں والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کو کثیر مال و دولت کے علاوہ بہت سے بیٹوں سے بھی نواز رکھا تھا۔ اور بیٹے بھی ایسے کہ ان میں سے ایک کو قبولِ اسلام کے بعد ''سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ'' کا مرتبہ ملا۔ یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ!

آیت ۱۵ ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥﴾ ''جب اسے ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

آیت ۱۶ ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦﴾ ''ہم عنقریب اس کی سُونڈ پر داغ لگائیں گے۔''

ممکن ہے اس کی ناک زیادہ لمبی اور نمایاں ہو۔ وہ خود بھی ازراہِ تکبّر اپنے آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا' جس کے لیے حقارت کے طور پر سونڈ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ناک پر داغ لگانے سے مراد تذلیل ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان بالآخرت کے حوالے سے بہت عمدہ اور عام فہم تمثیل کے طور پر باغ والوں کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ﴾ ''یقیناً ہم نے ان (اہلِ مکّہ) کو اسی طرح آزمایا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔''

اللہ تعالیٰ لوگوں کو طرح طرح کے امتحانات سے آزماتا رہتا ہے۔ ایک انسان کو اگر دولت

کی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے' تو کسی دوسرے کو غربت کے امتحان سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ سورۃ الملک کی اس آیت میں تو انسان کی زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد ہی آزمائش بتایا گیا ہے:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝٢﴾ ''اُس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت زبردست بھی ہے اور بہت بخشنے والا بھی۔''

﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝١٧﴾ ''جبکہ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور اس کا پھل اُتار لیں گے صبح سویرے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝١٨﴾ ''اور انہوں نے (اس پر) ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔''

باغ کے پھل پک کر تیّار ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک رات پروگرام طے کر لیا کہ وہ صبح سویرے جائیں گے اور سارا پھل اتار لائیں گے۔ گویا وہ اپنے اسباب و وسائل کے گھمنڈ میں مسبّبِ حقیقی کو بالکل ہی بھول گئے۔

آیت ۱۹ ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝١٩﴾ ''پس ایک پِھرنے والا پِھر گیا اس (باغ) پر آپ کے رب کی طرف سے جبکہ وہ ابھی سوئے ہوئے ہی تھے۔''

آیت ۲۰ ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝٢٠﴾ ''تو وہ ایسے ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔''

یعنی رات کو وہ باغ کسی بگولے کی زد میں آیا اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

آیت ۲۱ ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝٢١﴾ ''اب صبح ہی صبح انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔''

آیت V ﴿اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝٢٢﴾ ''کہ صبح سویرے چلو اپنے کھیت کی طرف اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔''

وہ صبح سویرے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق پھل توڑنے کی تیّاریاں کر رہے تھے' جبکہ ان کا باغ رات کو جل کر تباہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح انسان اپنی دھن میں مگن طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ایک فیصلے کے سامنے اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی جان لیوا مرض لاحق ہو چکا ہوتا ہے' مگر وہ اس سے بے خبر اپنی لمبی لمبی امیدوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے رات دن ایک کیے

رہتا ہے۔ پھر جب مرض کی تشخیص ہوتی ہے تب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

آیت W ﴿فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝۲۳﴾ ''چنانچہ وہ چلے اور آپس میں چپکے چپکے یہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔''

آیت X ﴿اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝۲۴﴾ ''کہ دیکھو آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔''

دراصل انہوں نے پھل اتارنے کے لیے منہ اندھیرے جانے کا پروگرام بنایا ہی اس لیے تھا تاکہ ایسے مواقع پر آ جانے والے غرباء و مساکین کو چکمہ دے سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ باغ پر سارا سال محنت ہم نے کی ہے' اس کی حفاظت کی ہے' اب پھل اتارنے کے موقع پر ہم اس میں سے غرباء و مساکین کو کس لیے دیں؟ وہ ہمارے کیا لگتے ہیں؟ یہ تھا ان کا اصل جرم جس کی انہیں سزا ملی۔ انسان کے کردار میں ایسی پستی آخرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

آیت Y ﴿وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝۲۵﴾ ''اور وہ صبح سویرے چلے جلدی جلدی (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر پوری طرح قادر ہیں۔''

یہ آیت لفظی تصویر کشی کی بہترین مثال ہے۔ اس وقت ان لوگوں کی جو ذہنی' نفسیاتی اور ظاہری کیفیت تھی ان الفاظ میں اس کی ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ انہیں زعم تھا کہ انہوں نے بڑی کامیاب منصوبہ بندی کی ہے' ابھی تھوڑی ہی دیر میں وہ پھل اتار کر لے جائیں گے اور بھیک منگوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ [حَرْد کا معنی قصد اور ارادہ ہے۔ یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور صبح سویرے باغ کا پھل اتار لیں گے' وہ خیال کر رہے تھے کہ ہم اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔]

آیت Z ﴿فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝۲۶﴾ ''پھر جب انہوں نے اس (باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو کہیں بھٹک گئے ہیں۔''

فوری طور پر تو وہ یہی سمجھے کہ وہ اندھیرے میں راستہ بھول کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں اور یہ ان کا باغ نہیں ہے۔ پھر جب انہیں اصل صورتِ حال کا ادراک ہوا تو کہنے لگے:

آیت ۲۷ ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۲۷﴾ ''نہیں نہیں (باغ تو یہی ہے) بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں۔''

ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔

آیت ۲۸ ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝۲۸﴾ ''ان کے درمیان والے نے کہا: میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اپنے رب کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے؟''

یہ انہی کے کسی نیک فطرت بھائی کا ذکر ہے جو گاہے بگاہے انہیں روکتا ٹوکتا تھا اور انہیں یاد دہانی کراتا رہتا تھا کہ تم اللہ کو بھولے ہوئے ہو اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلوتہی کرتے ہو۔

آیت ۲۹ ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۲۹﴾ ''انہوں نے کہا: (واقعی تم ٹھیک کہتے ہو) ہمارا رب پاک ہے' بے شک ہم ہی ظالم تھے۔''

آیت ۳۰ ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝۳۰﴾ ''پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔''

اب وہ اپنی گمراہی اور شومئ قسمت کی ذمہ داری آپس میں ایک دوسرے کے سر تھوپنے لگے۔

آیت ۳۱ ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝۳۱﴾ ''(بالآخر اعتراف کرتے ہوئے) وہ کہنے لگے: ہائے ہماری بدبختی! اصل میں ہم سب ہی اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔''

آیت ۳۲ ﴿عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝۳۲﴾ ''اُمید ہے ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر عطا کر دے گا' اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اب ہم اپنی روش تبدیل کر لیں گے اور آئندہ باقاعدگی سے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کیا کریں گے۔ ہمیں اُمید ہے ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے ہمارے نقصان کی بھی تلافی کر دے گا اور اگلے سال ہمارا باغ اس سے بہتر پیداوار دے گا۔

رَغِبَ جب اِلٰی کے صلے کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی کی طرف رغبت کرنے کے ہوتے ہیں' لیکن جب یہی لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ آئے تو بالکل متضاد معنی دیتا ہے۔ چنانچہ رَغِبَ عَنْ کے معنی ہوں گے: رُخ پھیر لینا اور پہلوتہی کرنا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی

آیت ۱۳۰ میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ﴾ ’’اور کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے منہ موڑے؟ سوائے اُس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت ہی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو!‘‘

اب اگلی آیت میں گویا اس تمثیل یا واقعہ کا اخلاقی سبق (moral lesson) بیان ہوا ہے:

آیت ۳۳ ﴿ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ ﴾ ’’اسی طرح آتا ہے عذاب! اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت ہی بڑا ہے۔‘‘

اس واقعے میں تو دنیا کے عذاب کا ذکر ہے‘ لیکن یاد رکھو‘ دنیا کے عذاب تو نسبتاً چھوٹے اور وقتی ہوتے ہیں اور توبہ کرنے پر ٹل بھی جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سال اگر پکی پکائی فصل برباد ہو گئی تو اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہو سکتا ہے اگلے سال اس کی تلافی ہو جائے‘ لیکن آخرت کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہوگا اور اُس وقت پلٹنے کا راستہ اور توبہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہوگا۔

﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۳۳﴾ ’’کاش کہ یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے!‘‘

آیات ۳۴ تا ۵۲

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۳۴ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
كَالْمُجْرِمِيْنَ ۳۵ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۳۶ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ۳۷ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۳۸ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ
عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۳۹ سَلْهُمْ
اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۴۰ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ
كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۴۱ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۴۲ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا
يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۴۳ فَذَرْنِيْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا
الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۴۴ وَ اُمْلِيْ
لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۴۵ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

مُّثْقَلُوْنَ ۴۶ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۴۷ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ
رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ۴۸
لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ
مَذْمُوْمٌ ۴۹ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۵۰ وَ اِنْ يَّكَادُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۵۱ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۵۲

آیت ۳۴ ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۳۴﴾ ’’متقین کے لیے یقیناً اُن کے ربّ کے پاس نعمت والے باغات ہیں۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۳۵﴾ ’’کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟‘‘

اگر بعث بعد الموت کے منکرین کی منطق درست تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکوکار اور مجرمین میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ طبعی طور پر تو موت بلاشبہ سب کو برابر کر دیتی ہے‘ جیسا کہ مشہور انگریزی نظم Death the Leveller میں بتایا گیا ہے۔ یعنی کوئی بادشاہ ہو‘ کوئی فقیر ہو‘ کوئی شریف ہو‘ کوئی مجرم ہو‘ مرنا سبھی کو ہے۔ اس اعتبار سے تو یقیناً موت کے سامنے سب انسان برابر ہیں‘ لیکن یہ سمجھنا کہ موت آنے پر اخلاقی لحاظ سے بھی سب انسان برابر ہو جائیں گے انتہائی غیر منطقی اور احمقانہ سوچ ہے۔

آیت ۳۶ ﴿مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۳۶﴾ ’’تمہیں کیا ہو گیا ہے‘ تم کیسے حکم لگاتے ہو؟‘‘

کیا تمہاری مت ماری گئی ہے جو ایسی رائے بناتے ہو؟ کیا اللہ کے ہاں ایسا ہی اندھیر مچا ہوا ہے کہ وہاں مسلمین اور مجرمین برابر ہو جائیں گے؟ کیا دنیا میں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے باغیوں اور اپنے وفاداروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے؟

آیت ۳۷ ﴿اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۳۷﴾ ’’کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو؟‘‘

آیت ۳۸ ﴿اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝۳۸﴾ ''کہ اس (آخرت) میں تمہیں وہ سب کچھ مل جائے گا جو تم پسند کرو گے!''

آیت ۳۹ ﴿اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝۳۹﴾ ''کیا تم نے ہم سے کوئی قسم لے رکھی ہے جو باقی رہنے والی ہو قیامت کے دن تک' کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے؟''

آیت ۴۰ ﴿سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝۴۰﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ذرا ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون ہے جو اس کا ضامن ہو؟''

آیت ۴۱ ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ﴾ ''کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟''

﴿فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۴۱﴾ ''تو لائیں یہ اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں!''

آیت ۴۲ ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ ''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی''

پنڈلی کھولے جانے کا مفہوم ہمارے تصوّر سے ماوراء ہے۔ ممکن ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کسی خاص تجلّی کا ذکر ہو جس کا ظہور میدانِ محشر کے کسی مرحلے پر لوگوں کی چھانٹی کرنے کے لیے ہونا ہو۔ واللہ اعلم! اس اعتبار سے یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔[1]

﴿وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۴۲﴾ ''اور انہیں پکارا جائے گا (اللہ کے حضور) سجدے کے لیے تو وہ کر نہیں سکیں گے۔''

جیسا کہ قبل ازیں سورۃ الحدید کی آیت ۱۱ کے تحت بھی ذکر ہو چکا ہے' میدانِ حشر میں اچھے اور برے لوگوں کو الگ الگ کرنے کے لیے بنی نوع انسان کو مختلف مراحل میں سے گزارا جائے گا۔ ''پنڈلی کا ظہور'' بھی ایسا ہی کوئی مرحلہ ہوگا۔ وہ صاحبِ ایمان لوگ جو اپنی دُنیوی زندگی میں

۱۔ عربی محاورے کے مطابق سخت وقت آ پڑنے کو بھی کشفِ ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً گھمسان کی لڑائی شروع ہونے پر کہا جاتا ہے: شَمَّرَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا کہ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھا لیا۔ بعض مفسرین نے کشفِ ساق سے مراد حقائق سے پردہ اٹھانا بھی لیا ہے۔ یعنی جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ (حاشیہ از مرتّب)

نماز کی پابندی کرتے رہے تھے اس تجلّی کو دیکھتے ہی سجدے میں گر جائیں گے' لیکن وہ لوگ جن کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں اور جو نماز کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اُس وقت سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ گویا اس مرحلے پر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے لوگوں سے الگ کر لیا جائے گا۔

آیت ۴۳ ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ ''ان کی نگاہیں زمین پر گڑی رہ جائیں گی''

﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ﴾ ''ان (کے چہروں) پر ذلت چھا رہی ہوگی۔''

﴿وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝۴۳﴾ ''اور ان کو (دنیا میں) پکارا جاتا تھا سجدے کے لیے جبکہ یہ صحیح سالم تھے۔''

دنیا میں وہ لوگ اذان کی آواز پر کبھی توجّہ ہی نہیں کرتے تھے اور کوئی مجبوری و معذوری نہ ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے تھے۔ قیامت کے دن میدانِ حشر میں وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۴۴ ﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔''

جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے اس گروپ کی سورتوں میں یہ کلمہ (ذَرْنِيْ' فَذَرْنِيْ) اور یہ اسلوب بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں ایک طرف حضور ﷺ کی دلجوئی کا پہلو ہے تو دوسری طرف آپؐ کے مخالفین کے لیے بہت بڑی وعید ہے' کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے' ان سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۴﴾ ''ہم انہیں رفتہ رفتہ وہاں سے لے آئیں گے جہاں سے انہیں علم تک نہیں ہوگا۔''

علماء کے ہاں ''استدراج'' کا لفظ بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے باعث کسی قوم یا کسی فرد پر درجہ بدرجہ (درجہ' تدریج اور استدراج کا مادہ ایک ہی ہے) مسلط ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے غلط راستے پر جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کچھ دیر کے لیے ڈھیل دیتا ہے' بلکہ بعض اوقات اس راستے پر اسے طرح طرح کی کامیابیوں سے بھی نوازتا ہے تاکہ اس کے اندر کی خباثت پوری

طرح سے ظاہر ہو جائے۔ جب وہ شخص اپنی روش کو کامیاب دیکھتا ہے تو سرکشی میں مزید دیدہ دلیری دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مہلت کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور پھر اچانک اسے عذاب کے شکنجے میں کس لیا جاتا ہے۔

استدراج کی مثال کانٹے کے ذریعے مچھلی کے شکار کی سی ہے۔ شکاری جب دیکھتا ہے کہ مچھلی نے کانٹا نگل لیا ہے تو وہ ڈور کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے ڈور کھینچ کر اسے قابو کر لیتا ہے۔ لفظ استدراج کی وضاحت کرتے ہوئے یہاں مجھے مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا وہ قول یاد آ گیا ہے جس میں انہوں نے قیامِ پاکستان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ استدراج بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا صاحب رمضان ہمیشہ سلہٹ میں گزارتے تھے۔ ۱۹۴۶ء کے رمضان میں انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ملأ اعلیٰ میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے ٹھیک ایک سال بعد اگلے رمضان (لیلۃ القدر) میں پاکستان کا قیام واقعتاً عمل میں آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مدنیؒ کو بذریعہ کشف قیامِ پاکستان کے بارے میں جس فیصلے کا علم ہوا تھا، ملأ اعلیٰ میں وہ فیصلہ ۱۹۴۶ء کی لیلۃ القدر میں اس اصول کے تحت ہوا تھا جس کا ذکر سورۃ الدخان کی آیت ۴ میں آیا ہے۔ اس آیت میں لیلۃ القدر (لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ﴾ کہ اس رات میں (آئندہ سال کے دوران رونما ہونے والے) تمام اہم امور کے فیصلے کر دیے جاتے ہیں۔

مولانا صاحب نظریاتی طور پر قیامِ پاکستان کے مخالف تھے۔ ان کے اس انکشاف کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے بجا طور پر ان سے پوچھا کہ اس فیصلے کا علم ہو جانے کے باوجود بھی آپ قیامِ پاکستان کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ اس پر مولانا صاحبؒ نے جو جواب دیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی (کائنات کی سلطنت کا انتظامی) فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے کیا منظور ہے، اس کا ہمیں علم نہیں۔ ہمیں چیزوں کے ظاہر اور سامنے نظر آنے والے حالات کو دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے سننے، سمجھنے وغیرہ کی صلاحیتیں اسی لیے دی ہیں کہ وہ ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے فیصلے کرے۔ چنانچہ اس معاملے میں ہمیں وہی موقف اپنانا چاہیے جس میں ہمیں مسلمانانِ برصغیر کی بہتری نظر آتی ہو۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کیا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ''استدراج'' کی غرض سے کیا گیا ہو۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خطے کے مسلمانوں کو ڈھیل دے کر

انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہو۔

قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مدنیؒ کا خدشہ کافی حد تک درست تھا۔ اہلِ پاکستان پر عذاب کا ایک کوڑا تو ۱۹۷۱ء میں برسا تھا۔ اس کے بعد بھی ملک کی مجموعی صورتِ حال کبھی تسلی بخش نہیں رہی، بلکہ پاکستان کے موجودہ حالات کو دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ اب ایک فیصلہ کن عذاب ہمارے سر پر آ کھڑا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کا سبب ''قیامِ پاکستان نہیں'' بلکہ بحیثیت قوم ہمارا وہ مجموعی طرزِ عمل ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے نظامِ اسلام کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ﴾ ''اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔''

﴿اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝۴۵﴾ ''بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔''

آیت ۴۶ ﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝۴۶﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں جس کے تاوان کے بوجھ تلے یہ دبے جا رہے ہیں؟''

ان لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آپؐ سالہا سال سے دن رات محنت کر رہے ہیں۔ اپنی اس محنت کے عوض جب آپؐ ان سے کسی معاوضے یا اُجرت کے طلب گار بھی نہیں ہیں تو یہ لوگ آخر کس لیے پریشان ہیں؟

آیت ۴۷ ﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝۴۷﴾ ''یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہیں؟''

یہ دونوں آیات (۴۶، ۴۷) جوں کی توں سورۃ الطور میں (آیات ۴۰ اور ۴۱ کے طور پر) بھی آ چکی ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ''تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ انتظار کیجیے اپنے ربّ کے حکم کا،''

﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ﴾ ''اور دیکھیے، آپؐ اُس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا!''

''مچھلی والے'' سے یہاں حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں۔ آپؑ کی قوم پر جب عذاب کا فیصلہ

ہو گیا تو آپؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر ہی اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں اس طرح آیا ہے: ﴿اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ ''جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا''۔ آپؑ کا یہ غصہ حمیتِ حق میں تھا اور قوم کی طرف سے مسلسل ہٹ دھرمی اور کفر کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس میں خطا کا پہلو یہ تھا کہ آپؑ نے ہجرت کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔

﴿اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾﴾ ''جب اُس نے پکارا (اپنے رب کو) اور وہ اپنے غم کو اندر ہی اندر پی رہا تھا۔''

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں انتہائی رنجیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾ (الانبیاء) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔''

آیت ۴۹ ﴿لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾﴾ ''اگر اُس کی دست گیری نہ کرتا اُس کے رب کا ایک انعام (اور احسان) تو وہ ملامت زدہ ہو کر پھینک دیا جاتا کسی چٹیل زمین پر۔''

حضرت یونس علیہ السلام قدیم عراق کے شہر نینوا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ شہر بعلبک کے شمال میں واقع تھا۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ اس علاقہ سے گزرتے ہوئے خلیج فارس میں آ کر گرتے ہیں۔ آج کل تو یہ دونوں دریا سکڑ کر چھوٹی چھوٹی ندیوں میں تبدیل ہو گئے ہیں، لیکن پرانے زمانے میں تو ظاہر ہے یہ بہت بڑے بڑے دریا ہوں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا شہر سے نکل کر ان میں سے کسی دریا کو پار کرنے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی میں آپؑ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اشارتاً سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۴۱ میں آیا ہے۔ اس کے نتیجے میں آپؑ کو کسی وہیل مچھلی نے نگل لیا۔ وہ مچھلی خلیج فارس سے ہوتی ہوئی مکران کے ساحل پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ساحل کے کسی مقام پر اس نے آپؑ کو اُگل دیا۔ اُس وقت آپؑ کی حالت بہت خراب تھی۔ اس موقع پر آپؑ کو سایہ اور غذا وغیرہ فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے 'یقطین' کا وہ پودا اگایا جس کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت' آیت ۱۴۶ میں آیا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی پودے کی طرف اشارہ ہے جو اُس وقت آپؑ کے لیے واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت

ثابت ہوا۔ یقطین کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الصّٰفّٰت' آیت ۱۴۶ کی تشریح۔

آیت ۵۰ ﴿فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''تو اُس کے ربّ نے اُس کو چُن لیا اور اسے پھر صالحین میں سے کر دیا۔''

حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کے حوالے سے یہاں حضور ﷺ کا ایک فرمان بھی سن لیجیے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى)) [۲] ''کہ مجھے یونسؑ بن متّیٰ پر بھی فضیلت نہ دو''۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہہ ہے جو اپنا جوشِ خطابت اور زورِ قلم دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ آپ ﷺ بلاشبہ پوری نوعِ انسانی سے افضل اور سیّد الانبیاء والمرسلین ہیں۔ لیکن ع ''حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را''۔ آج پوری دنیا آپ ﷺ کی عظمت کی قائل ہے۔ اس حقیقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ آج ایک عیسائی دانشور مائیکل ہارٹ اپنی کتاب ''The 100'' میں یہ لکھنے پر مجبور ہے:

"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

''حضرت محمد (ﷺ) کو دنیا کی بااثر ترین شخصیات میں سرفہرست رکھنے کے میرے اس فیصلے پر کچھ قارئین کو حیرت ہو گی اور بعض اس پر سوال بھی اٹھائیں گے، لیکن پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف آپ (ﷺ) ہی واحد شخص ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں محاذوں پر پوری طرح کامیاب رہے۔''

آیت ۵۱ ﴿وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ ''اور یہ کافر تو تلے ہوئے ہیں اس پر کہ اپنی نگاہوں کے زور سے آپؐ کو پھسلا دیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں''

مشرکینِ مکّہ نے حضور ﷺ کی قوتِ ارادی کو توڑنے کے لیے ہر ممکن طریقہ آزمایا اور

۲۔ تخریج الکشاف للزیلعی: ۲۶۴/۱ (غریب جدا)

اس مقصد کے لیے آپؐ کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک مرحلے پر انہوں نے اس مقصد کے لیے ایسے عاملوں کی خدمات بھی حاصل کیں جو اپنی نگاہوں کی خصوصی طاقت کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ شاید طبعی طور پر ایسا ممکن ہو۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص خصوصی مشقوں (exercises) کے ذریعے اپنی آنکھوں میں اپنی قوتِ ارادی کو اس انداز میں مجتمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہو کہ اس کے بعد جب وہ کسی دوسرے شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے تو وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکے۔ بہرحال اس آیت میں مشرکینِ مکّہ کے ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈوں کا ذکر ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝۵۱﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔''

سورت کے آغاز اور اختتام کا باہمی ربط نوٹ کیجیے۔ جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر اس کا اختتام ہو رہا ہے۔ کُفّار حضور ﷺ کو مجنون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی تردید سورت کے ابتدا میں بھی کی گئی اور آخر میں بھی۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اس سورت کے آغاز میں حرف ن کیوں آیا ہے۔ دراصل ''ن'' کے معنی ''مچھلی'' کے ہیں' جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ذُوالنُّون (مچھلی والے) کے لقب سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ حرف ن کا معنوی ربط سورت کی ان اختتامی آیات کے ساتھ ہے جن میں صَاحِبِ الْحُوت (حضرت یونسؑ) کا ذکر آیا ہے۔

آیت ۵۲ ﴿وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۵۲﴾ ''اور نہیں ہے وہ' مگر ایک یاددہانی تمام جہان والوں کے لیے۔''

یہاں پر هُوَ کی ضمیر قرآن کے لیے بھی ہے اور حضور ﷺ کے لیے بھی۔ قرآن مجید کے ذکر (یاددہانی اور نصیحت) ہونے کا تذکرہ تو قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے' جبکہ اپنی ذات میں حضور ﷺ بھی قیامت تک کے لوگوں کے لیے یاددہانی ہیں' بلکہ آپ ﷺ اپنی ذات میں مجسّم قرآن ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ)) ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔''

[بعض مترجمین نے یہاں ''ذِکْر'' کا ترجمہ ''شرف'' بھی کیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لیے وجہ عزّ و شرف ہیں۔ (مرتّب)]

جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف وحید حفظہ اللہ

(جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں ۱۴/اکتوبر ۲۰۲۲ء کا خطاب جمعہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾﴾ (البقرۃ)

﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ (الاعراف)

آج میں نے خطاب جمعہ کے لیے جو آیات منتخب کی ہیں' ان میں ایک تو سورۃ البقرۃ کی (آیت ۲۵۷) ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے ہدایت کے چینلز کا اور اہلِ کفر

کے بے ہدایتی کے چینلز کا ذکر کیا ہے۔ تین آیات سورۃ الاعراف کی ہیں جن میں شیطان کے خطرناک ترین ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ آج یہ موضوع اس لیے بہت اہم محسوس ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت کے مابین فرق اور امتیاز اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ اس وقت بعض ایسی تحریکات سرگرمِ عمل ہیں جن کے زیر اثر آج کی مسلم یوتھ ہے۔ ان کے سامنے رفتہ رفتہ ایسے معاملات ایک عام سی بات بنتے چلے جا رہے ہیں جن کا دینِ اسلام میں بڑا حساس مقام ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں جو ہدایات عطا فرمائی ہیں وہ ان گمراہیوں کے ضمن میں کیا صحیح راستہ عطا فرماتی ہیں۔ ایسے میں امید ہے کہ ہم ان سے نبرد آزما ہونے کی بھی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا:

﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ﴾

''اللہ ولی ہے اہلِ ایمان کا' وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی' طرف۔''

جو لوگ اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر واقعتاً اسی کو اپنا رب' خالق' مالک اور مطاعِ حقیقی سمجھتے ہیں' ان کے لیے اللہ تعالیٰ پہلا اہتمام یہ فرماتا ہے کہ وہ ان کا کارساز' ولی اور دوست بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ: ﴿یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ﴾ ''وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔'' وہ اہل ایمان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔

ظلمات سے یہاں مراد کوئی ظاہری اندھیرا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بدعقیدگی' گمراہیاں' گمراہ کن افکار اور نظریات ہیں۔ طرح طرح کے ایسے افکار و نظریات دنیا میں پھیلے ہی نہیں ہیں بلکہ پھیلائے گئے ہیں' اور آج وہ گویا ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور دنیا کے لیے متفق علیہ قسم کے اوصاف بن چکے ہیں۔ ان گمراہ کن نظریات کے خلاف اگر کوئی محاذ یا دفاعی نظام ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اہلِ ایمان بندوں کے لیے کتاب ہدایت میں عطا فرماتا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ﴾

''اور (ان کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا' اُن کے اولیاء (پشت پناہ' ساتھی اور مددگار) طاغوت ہیں''

طاغوت' شیطان یا وہ لوگ جو اپنی بڑائی اور بالادستی چاہتے ہیں' جو مَن مانی زندگی بسر کرنا چاہتے

ہیں‘ یہ ایک گروہ کی صورت ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ یعنی شیطان اور اس کی صُلبی و معنوی ذریت‘ اس کے چیلے چانٹے‘ اس کے ایجنٹ۔ یہ لوگ کفر کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ:

﴿یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ﴾

’’وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔‘‘

یہ انسانوں کو ہدایت اور نورِ ایمان کی حالت سے نکال کر انہیں اندھیروں‘ گمراہیوں‘ ضلالتوں‘ بدعقیدگی اور بے دینی میں مبتلا کرنے کے لیے مسلسل سعی و جُہد اور محنت کرتے رہتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾﴾ (البقرۃ)

’’یہی لوگ ہیں آگ والے‘ یہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

دوسرا مقام سورۃ الاعراف کا ہے جو کم سے کم تین آیات کا مجموعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا ؕ﴾

’’اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانپتا ہے اور آرائش و زیبائش کا سبب بھی ہے۔‘‘

یہاں خطاب ہم اور آپ سے ہے کہ اے بنی آدم‘ یقیناً ہم نے تم پر اتارا ہے ایک لباس جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے‘ تمہارے شرم کے مقامات کو چھپاتا ہے‘ اور وہ زیب و زینت بھی ہے۔ یہاں گویا لباس کے دو اہم مقاصد بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ستر پوشی کا کام کرتا ہے۔ انسان کے وہ اعضاء جو شرم کے مقامات ہیں‘ انہیں چھپانے اور انسان کی حیا قائم رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان مقامات کو چھپانا لباس کا بنیادی کام (function) ہے۔ پھر یہ زیب و زینت کا باعث بھی ہے۔ اچھی وضع قطع کا صاف ستھرا لباس ہو تو انسان کی شخصیت میں وقار پیدا ہوتا ہے‘ اس کی شخصیت نکھرتی ہے۔ اگر کوئی شخص بد ہیئت لباس پہن لے تو اس کا حلیہ اور اس کی appearance بڑی معیوب سی نظر آتی ہے۔ لباس یہ دونوں کام کرتا ہے‘ لیکن اس کا بنیادی کام ستر پوشی ہی ہے۔

﴿وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ﴾

’’اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔‘‘

تقویٰ کے لباس سے مراد شرم و حیا ہے۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے ’’لِبَاسُ التَّقۡوٰی‘‘ کی تفسیر شرم و حیا سے کی ہے۔

﴿ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾

’’یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔‘‘

یہ اللہ کے احکامات ہیں‘ اس کے فرامین ہیں‘ تاکہ لوگ سمجھیں اور نصیحت اخذ کریں۔ آگے فرمایا:

﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوۡاٰتِہِمَا ؕ﴾

’’اے بنی آدم! (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے‘ جیسے کہ تمہارے والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروا دیا تھا اُن سے اُن کا لباس‘ تاکہ اُن پر عیاں کر دے ان کے شرم کے مقامات۔‘‘

آدم و حوا علیہما السلام کے جنت سے نکلنے کا جو سارا واقعہ قرآن حکیم میں بارہا بیان ہوا ہے‘ یہاں اس کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان انہیں جنّت سے نکالنے کا ذریعہ بنا۔ اس نے ایک مغالطہ پیدا کیا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے سامنے طرح طرح سے قسمیں کھائیں اور اپنی بات کو بااعتبار بنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس درخت کا پھل کھانے سے انہیں روکا گیا تھا وہ دونوں اسے کھا بیٹھے۔ ان سے ایک معصیت سرزد ہوگئی‘ جو شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے ایک بڑی illusion پیدا کی کہ اللہ نے جس چیز سے تمہیں روکا ہے وہی تو اصل شے ہے۔ چنانچہ اُس نے ان سے ان کے لباس اتروا دیے یعنی بے پردگی طاری کر دی۔ ان کے شرم کے مقام جو اللہ نے چھپائے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے۔ جنّت کا جو خاص لباسِ فاخرہ تھا وہ اتر گیا اور ان کے سامنے آپس میں بے پردگی کا اظہار ہو گیا۔ آگے فرمایا:

﴿اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ﴾

’’یقیناً وہ اور اُس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔‘‘

شیطان بڑا خطرناک دشمن ہے۔ اس لیے کہ ایک دشمن وہ ہوتا ہے جو سامنے آ کر وار کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ یہاں موجود ہے۔ آپ اس سے محتاط بھی رہ سکتے ہیں‘ دفاع بھی کر سکتے ہیں۔ ایک دشمن وہ ہے جو آپ کو نظر ہی نہیں آ رہا‘ آنکھوں سے اوجھل رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ یہاں شیاطین جن مراد ہیں۔ اب تو شیاطین انس بھی ہیں جنہوں نے ایسی ایسی ڈیوائسز ایجاد کر لی ہیں کہ بہت ہی نجی قسم کی

ملاقاتیں اور گفتگوئیں بھی ریکارڈ پر لا کر آپ کے سامنے ظاہر کر دیتے ہیں۔ آخر ایک طرح سے وہ دیکھ ہی رہے ہیں۔ گویا اب یہاں شیاطین جن وانس کا آپس میں ایسا گٹھ جوڑ (nexus) بن گیا ہے کہ ان کے مابین کوئی فرق نہیں رہا۔ آگے فرمایا:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾

''ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

جو لوگ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرنا چاہتے اصل میں ان کا حمایتی' ولی اور کارساز شیطان اور اس کا قبیلہ ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ﴾

''اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے یہی کچھ کرتے ہوئے اپنے آباء واَجداد کو' اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔''

یہاں ''فاحشہ'' کا لفظ لایا گیا ہے جس میں بے حیائی کے کام تو شامل ہیں ہی' لیکن عربی زبان میں فاحشہ صرف بے حیائی کے کاموں کو ہی نہیں کہا جاتا بلکہ اس میں بڑے بڑے منکرات اور غلط کام بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر ذہن میں رکھیے کہ یہاں مخاطبین قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین ابراہیمی کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ بیت اللہ شریف میں آتے تھے تو اپنے ہی طور طریقے اختیار کرتے تھے۔ دورِ جاہلیت میں بیرونِ مکہ سے آنے والوں پر پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کہ چونکہ ان کا لباس آلودہ ہوتا ہے' مختلف قسم کے گناہوں سے لتھڑا ہوا ہوتا ہے لہٰذا وہ اسے اُتار کر آئیں۔ لہٰذا دن کے وقت مرد بے لباس ہو کر طواف کر رہے ہوتے اور رات کے اوقات میں عورتیں بے لباس ہو کر طواف کر رہی ہوتیں۔ یہ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ یوں وہاں کے ہوس پرست لوگ ان کو تاکتے تھے اور پھر باتیں اور اسکینڈلز بناتے تھے۔ یہ قبیح کام مطاف کے اندر عین بیت اللہ شریف کے اطراف میں ہو رہا تھا۔ جب ان کو اس قسم کے کاموں کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ یہ تم نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوا ہے یا دوسرے منکرات کا ارتکاب کرنے پر کہا جاتا کہ اُن کی شریعت ابراہیمی میں کوئی حیثیت نہیں' تو وہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے پُرکھوں کی روایات ہیں اور آباء واَجداد کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ہم ان طریقوں کو ہی فالو کریں گے اور یہ صحیح طریقے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک الزام تھا جس کا جواب قرآن نے بڑے واضح طور پر کئی جگہوں پر دے دیا:

﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ (البقرۃ)

﴿..... لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ (المائدۃ)

کیا یہ پھر بھی اپنے آباء کی پیروی کریں گے اگرچہ وہ نہ تو عقل رکھتے تھے' نہ ہدایت پر تھے' نہ ہی ان کے پاس علم تھا۔ پھر بھی انہی کے پیچھے چلیں گے؟ یہ مختلف انداز مختلف مقامات پر اختیار کیے گئے۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ یہ اصل میں اللہ پر بالواسطہ الزام (allegation) لگایا گیا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر ہمارے آباء یہ کرتے تھے تو یقیناً انہیں حکم ہوا ہوگا۔ لہٰذا اگر ہم اپنے آباء کی اتباع کر رہے ہیں تو اصل میں ہم اللہ ہی کے حکم کو فالو کر رہے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ:

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾

''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ تو کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں!''

اس وقت اہم ترین بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے شیطان کی پیروی قرار دیا ہے ان میں ایسے فحش اور منکرات شامل ہیں' جو آج اس طرح عام ہو گئی ہیں کہ ان کے اور دین کی اصل تعلیمات کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کی وہ آیات بھی ذہن میں رکھیے جن میں شیطان کے نقش پا کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آیات قرآن مجید میں کم سے کم چار مقامات پر آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایک مقام پر فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ' اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔''

یعنی ایسی بدعقیدگیاں مت اختیار کرو کہ فلاں اشیاء حرام ہیں' حالانکہ وہ حرام نہیں تھیں۔ انہوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا۔ قرآن مجید ایک مرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ یہ حکم دے رہا ہے کہ شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ اگر یہ کوئی غیر اہم' random تصوّر یا arbitrary

بات ہوتی تو اس شدّ و مدّ کے ساتھ چار مرتبہ حکم نہ دیا جاتا۔ یہی بات سورۃ البقرۃ میں پھر فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے اہلِ ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے' اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔''

یعنی اسلام کے تقاضوں میں تفریق کر دینا کہ اس کو تو ہم مانیں گے اور اس کو نہیں مانیں گے' یہ امور ہمارے لیے مشکل ہیں' ایسا طرزِ عمل درحقیقت شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی فرمایا:

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾﴾

''کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہی بات پھر سورۃ النور میں بھی فرمائی گئی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (النور:۲۱)

''اے اہلِ ایمان! شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ اور جو کوئی شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اُسے بے حیائی اور برائی ہی کا حکم دے گا۔''

یہ مَیں نے اس موضوع پر اہم ترین آیات آپ کے سامنے پیش کی ہیں جن میں شیطان کا ایک بہت بڑا ہتھکنڈا یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تمہیں فحاشی اور منکرات کا راستہ دکھائے گا۔ آج کل ہمارے معاشرے میں بعض اصطلاحات ایسی عام ہوئی ہیں اور انہیں ایسے قبول (recognise) کر لیا گیا ہے گویا یہ basic human faculties ہیں جو تمام انسانوں میں متفق علیہ ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں ''Renaissance'' کی تحریک نے سر اٹھایا' جو سولہویں صدی تک جاری رہی۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہی تھا کہ روایت یا مذہب ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے' منطق (logic) جسے میں عقل گزیدگی کہوں گا' اور فلسفے اور آرٹ ہی کے ذریعے بامِ عروج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہی علوم تمہاری خواہشات کی تسکین کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ

''Renaissance'' کی تحریک کو بڑے اچھے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ''احیاء العلوم'' کی تحریک تھی۔ لیکن اس کے پس پردہ اصل شے بے دینی' اللہ سے دُوری' مذہب بیزاری اور سب سے بڑھ کر اپنی عقل اور اپنی دانش پر انحصار تھا۔ پھر اس تحریک نے آگے بڑھ کر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ چنانچہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اس نے ایک نیا موڑ لیا جسے روشن خیالی (Enlightenment) کہا جاتا ہے یعنی تحریک تنویر۔ دراصل جب پرانی باتوں کا اثر ختم ہو جائے تو پھر نئے بت تراشنے پڑتے ہیں' جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا:ؔ

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم' جواں ہیں لات و منات

یعنی آدم تو بوڑھا ہو چکا ہے لیکن لات و منات اور گمراہی کے مختلف بڑے بڑے نت نئے سلوگنز انسانوں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے کہ روشن خیالی ہونی چاہیے لیکن اصلاً یہ خدا بیزاری اور دین سے دوری کا ذریعہ اور سبب بن رہی ہے۔ روایات کو تبدیل کر رہی ہے۔ قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی کرنے کا کام ہے؟ اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہو تو سائنس اور فلسفہ پڑھو۔ یہ باور کرایا جاتا ہے کہ انہی علوم کے باعث دنیا آگے نکل گئی اور کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ سب وہی کہہ سکتا ہے جس کے پیش نظر صرف دنیا ہے' اسے آخرت سے کوئی سروکار نہیں۔ بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ نہایت خوب صورت عنوانات ہیں' لیکن ان کے پس پردہ جو کچھ ہے وہ اکثر ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

پھر ''فیمینزم'' کی تحریک کے ذریعے ایک نیا قدم اٹھایا گیا ہے۔ ''تحریک نسواں'' بظاہر بہت اچھی نظر آتی ہے کہ مرد کے ہاتھوں عورتوں کا استحصال ختم کیا جائے۔ انسانوں کا معاشرہ ہمیشہ سے male-dominant معاشرہ رہا ہے۔ عورتوں کا استحصال یقیناً ہوتا ہے' لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسے کیسے دور کیا جائے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی میں اس ظلم کے خاتمے کی تدابیر کرنا بالکل جداشے ہے' لیکن فیمینزم کے تحت عورت اور مرد کو ہر اعتبار سے برابر قرار دے کر ان کے استحصال کو رفع کرنا بالکل جدا معاملہ ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی میں اس کی پہلی لہر (wave) آئی تھی جس میں یہ کہا گیا کہ قانونی اعتبار سے عورتوں اور مَردوں میں مساوات ہونی چاہیے۔ اگرچہ یہ برابری کا نعرہ ہے لیکن یہ حق اپنے صحیح معنوں میں وہ خود بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔

درحقیقت یہ برابری بھی استحصال کا ذریعہ ہے۔تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے‘لیکن درحقیقت اس سے عورتوں کا مزید استحصال ہوتا ہے‘اگرچہ ظاہر میں یہ بڑا خوشنما سلوگن ہے۔اس کے بعد بیسویں صدی میں بات بہت آگے پہنچادی گئی کہ تمدنی‘معاشرتی‘سیاسی اور معاشی طور پر اپنی سوچ‘فکر اور فیصلہ سازی وغیرہ کے اعتبار سے عورت مرد کے بالکل برابر ہے۔اس پر کوئی قدغن نہیں اور آسمانی دباؤ تو دور کی بات ہے‘اخلاقی دباؤ بھی کوئی نہیں۔چنانچہ اس ذریعے سے شیطان نے ایک نیا ہتھکنڈا اختیار کیا۔اسی کا یہ مظہر ہے کہ آج حکومتی سطح پر بڑی بڑی مجالس اور تقریبات میں وومن ایمپاورمنٹ کا دعویٰ کیا جارہا ہوتا ہے۔خواتین کو بااختیار بنانا بظاہر بڑی اچھی بات ہے کہ اس کے ذریعے وہ معاشرے کا اچھا اور مفید شہری بنیں لیکن زمینی حقائق یہ نظر آتے ہیں کہ اس کا مقصد خاندانی نظام کو درہم برہم کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو قرار دیا ہے کہ:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (النساء:۳۴)

’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔‘‘

آج یہ سارے دینی اور اخلاقی ضابطے ایک طرف کر دیے گئے ہیں۔یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ایک دفعہ اگر عورت کو یوں گھر سے نکال دیا تو پھر باقی کا تخریبی کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔چنانچہ ’’حریت نسواں‘‘ (woman emancipation) اور ’’خود مختاریٔ نسواں‘‘ (woman empowerment) وغیرہ مختلف عنوانات ہیں جن کے تحت شیطان کے جدید ’’خطوات‘‘ نمایاں ہوکر سامنے آتے ہیں۔

اس سارے پس منظر میں آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ ان فتنوں کو پہچانا جائے۔اگر ہمیں اپنی اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہے اور انہیں شیطان کی ان ساری چالوں سے آگاہ کرنا مقصود ہے تو ہمیں ان فتنوں کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ان کا ظاہر اپنی جگہ بڑا خوبصورت اور خوش رنگ ہے جبکہ ’’اندروں چنگیز سے تاریک تر‘‘ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمات ایمان اور حیا کے ضمن میں عطا فرمائی ہیں‘میں چند احادیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔تاکہ حق و ناحق کا فوری تقابل نمایاں ہوجائے۔

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ)) (رواہ ابن ماجہ: ۴۱۸۲ والطبرانی: ۱۰/ ۳۸۹) ’’ہر دین کا کوئی نہ کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے‘‘۔ہر دین کی ایک الگ‘ایک خاص علامت ہوتی ہے۔حیا ایک باطنی کیفیت ہے۔یہ انسان کی ایک فطری صلاحیت اور بنیادی وصف ہے جو اس کی سیرت سازی میں سب سے موثر کردار ادا کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ))(مسند احمد: ۱۰۵۱۹) ’’حیا ایمان سے ہے (ایمان کا لازمی جزو ہے) اور ایمان جنّت میں داخلے کی ضمانت ہے‘اور بے شرمی و بے حیائی جفا ہے (بدکاری ہے‘بدعملی ہے) اور اس کا انجام آگ ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرِنَا جَمِيْعًا)) حیا اور ایمان دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں‘‘۔یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص کہے کہ میں ایمان والا ہوں جبکہ وہ بے حیا بھی ہو۔کوئی بے حیا شخص ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا۔رسول اللہ ﷺ نے آگے فرمایا: ((فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ)) (مستدرک الحاکم: ۵۸۔صحیح الجامع: ۱۶۰۳) ’’ان دونوں میں سے ایک چیز اگر اٹھالی جائے تو دوسری چیز از خود ختم ہوجاتی ہے‘‘۔یعنی ایمان چلا گیا تو انسان بے حیا ہوجائے گا اور حیا اُٹھ گئی تو انسان بے ایمان ہوجائے گا۔

حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ)) (صحیح البخاری: ۳۴۸۳) ’’پچھلی نبوتوں کی باتوں میں سے جو کچھ لوگوں نے اعلیٰ ترین بات اخذ کی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو‘‘۔پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔چاہے انسان شیطان کے بھی کان کترنے لگے اور اس سے بھی کہیں آگے بڑھ کر جہنم کے راستے پر بگٹٹ بھاگے۔یہ سب ممکنات ہیں اگر انسان کے اندر سے شرم وحیا نکل گئی۔ع بے حیا باش وہرچہ خواہی کن!

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْحَيَاءُ

لَا یَأْتِی اِلَّا بِخَیْرٍ))(متفق علیہ) ''حیا سے خیر ہی برآمد ہوتا ہے''۔ یہ الفاظ متفق علیہ حدیث کے ہیں' جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ)) اَوْ قَالَ: ((اَلْحَیَاءُ کُلُّہٗ خَیْرٌ)) یعنی حیا تو کُل کی کُل خیر ہی خیر ہے۔ یہ اصل میں آج کے دور کی ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اگر کوئی شخص شرمیلا (shy) ہے' اس کے اندر بے باکی نہیں ہے تو وہ مادی ترقی میں پیچھے رہ جائے گا اور دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حیا سے بالآخر خیر ہی برآمد ہوگا۔

یہ چند باتیں خاص طور پر اس نسبت سے عرض کی گئی ہیں کہ اب ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اس وقت معاملات Renasissance' روشن خیالی' فیمینزم اور وومن ایمپاورمنٹ سے بہت آگے جا چکے ہیں اور اب ''ٹرانس جینڈر'' کے نام پر بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان فتنوں سے متنبہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اجر سے نوازے جنہوں نے اس بڑے فتنے سے لوگوں کو آگاہ کیا!

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

واہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ڈاکٹر محمد شریف نظامی ٭

یہ تحریر داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے انتقال پُرملال کے اگلے ہی روز صاحب مضمون کے نوکِ قلم پر آ گئی تھی، لیکن وہ اسے اشاعت کے لیے ارسال نہ کر سکے۔ ہمیں یہ تحریر چند روز قبل موصول ہوئی ہے اور اسے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! ''یادِ رفتگاں'' کے تحت بیسیوں تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ ان کا آغاز تو ''آہ!'' سے ہوتا ہے۔ اس ''واہ!'' کے کیا معنی؟ آپ کا یہ تاثر بالکل درست ہے۔ اگرچہ یہ تحریر پُرنم آنکھوں کے ساتھ سطور کا روپ دھار رہی ہے..... لیکن ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؟'' کی پکار پر جب ڈاکٹر صاحب مرحوم کی روح پُرفتوح نے ''بَلٰی وَرَبِّنَا'' کی صدا بلند کی تو اس عالمِ رنگ و بو میں آ کر عامۃ الناس کے برعکس اس عہد کو نبھایا، اور خوب نبھایا۔ دراصل یہ ''واہ'' اسی امر کا غماز ہے۔ یہاں میں ان کے مرشد سید مودودیؒ کا تذکرہ نہ کروں تو بھی ناانصافی ہوگی۔ کل جب ان کا جنازہ پڑھ کر واپس آ رہے تھے تو ایک صاحب ذوق نے بے ساختہ کہا: ''مولانا مودودیؒ کا تراشا ہوا ہیرا آج تہِ خاک روپوش ہو گیا''۔ میں سوچنے لگا: ہمارے ان دوست نے اگرچہ ہر دو حضرات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ خراجِ تحسین پیش کیا ہے لیکن بقول حافظ شیرازی ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما!

''جن کے دل عشق سے زندہ ہوتے ہیں وہ کبھی مرا نہیں کرتے، کیونکہ صحیفۂ ہستی پر ان کا نام نقش بر حجر کی طرح ثبت ہو جاتا ہے۔''

٭ چیف سائنٹیفک آفیسر (ر)، رحمان پورہ کالونی، لاہور

ڈاکٹر اسرار مرحوم کو پہلی بار ۱۹۷۲ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے آڈیٹوریم میں سنا۔ ہم اُن دنوں پنجاب یونیورسٹی میں، ہوسٹلز میں کمرے نہ ملنے کی وجہ سے، وہاں ایک دوست کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ''معجزات کی حقیقت اور ان کے وقوع'' پر بات کی۔ ان کا یہ لیکچر سلاستِ فکر، دلیلِ قاطع اور عقلِ انسانی کو اپیل کا حسین مرقع تھا۔ جس انداز سے انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کی، نطق اس کی بلائیں لینے لگا اور علم الکلام کے رنگ برنگے پھول کھلتے دکھائی دیے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا کہنا تھا کہ ''دنیائے آب و گل'' مادّے کی خصوصیات کا کھیل ہے۔ پانی بہتا ہے، آگ جلاتی اور ہوا زور سے چلے تو تباہی مچاتی ہے۔ جو شخص ان کو ''خدا'' سمجھتا ہے وہ معجزات کا منکر ہے۔ پھر ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے فرمایا: ''درحقیقت یہ سب تو خدائے واحد کے غلام اور عاجز بندے ہیں۔ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے آگ جلاتی ہے، جب فرمان جاری ہو کہ ٹھنڈی ہو جا تو ٹھنڈی ہو جاتی ہے، بلکہ گلزار بن جاتی ہے۔ پانی کو عموماً بہنے کا حکم ہے، لیکن مصلحت ہو تو اسے جم کر تودے بن جانے کا کہہ دیا جاتا ہے اور اکثر انسانوں کے علی الرغم وہ اس سے سرتابی نہیں کرتا۔'' مزید فرمانے لگے: ''یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ صاحبِ اختیار اپنے ماتحتوں کو از خود اختیارات منتقل کرتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس!''

دوسری بار جامعہ پنجاب کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب (مرحوم) کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں لیاقت بلوچ صوبہ پنجاب کے لیے اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم ہونے کے باوجود ''کلین شیو'' تھے۔ جمعیت کے ذمہ داران کے چہرے اکثر و بیشتر سُنّتِ نبوی سے مزیّن ہوتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب خود اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہ چکے تھے، لہٰذا ان کو یہ بات ناگوار گزری۔ ''واعظانہ انداز'' سے بالکل ہٹ کر کہنے لگے: ''لیاقت بھائی! ہمارے دور میں تو آپ جیسے لوگوں کی داڑھیاں ہوا کرتی تھیں''۔ سچ ہے کہ ع ''از دل خیزد و بر دل ریزد'' بات دل سے نکلی اور دل پر ہی جا لگی۔ یا پھر علامہ اقبالؒ کی زبان میں ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

بہرحال امرِ واقعہ یہی ہے کہ کچھ عرصے بعد لیاقت بلوچ باریش ہو گئے۔

ہر چند کہ اظہارِ تاثرات کی طوالت بھی پیشِ نظر ہے لیکن یادوں کی کہکشاں میں ہر آن نت

نئے سیارے نمودار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یومِ اقبال اور ایسے دیگر مواقع پر بعض سیکولر ''دانشور'' اپنا پرانا راگ الاپتے اور اس عمل کے دوران کچھ لوگ ان کے زورِ بیان سے متاثر ہوتے بھی نظر آتے' لیکن اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم وہاں موجود ہوتے تو اپنی تقریر میں اس مدلّل اور مسکت انداز سے ان کی ''خبر'' لیتے کہ اب دل پر منوں بوجھ محسوس کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے ؎

اِک دِیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی
شب کی سنگین سیاہی کو مبارک کہہ دو!

لیکن نہیں! نہیں! فہمِ قرآن کے جو چراغ آپؒ نے خونِ جگر سے روشن کیے ہیں ان کی ضوفشانیاں تابد ''تاریکیوں'' کا' ان شاء اللہ' تعاقب کرتی رہیں گی۔

احقر کے تجربہ کے مطابق' ہمارے معاشرے کے اکثر اہلِ علم و دانش کا یہ چلن ہے کہ بڑے دانشورانہ انداز سے حالات کا تجزیہ کریں گے' ان کی خرابی پر فارسی زبان ہی نہیں عربی زبان کی گردان کریں گے' (فارسی گرامر میں فعل کے چھ صیغے اور عربی زبان میں چودہ ہوتے ہیں) اور دینی سیاسی جماعتوں میں ''مائیکروسکوپ'' لگا کر ''جراثیم'' تلاش کریں گے' لیکن میدانِ عمل میں وہ صفر کہ جو پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور اس پس منظر میں بھی منفرد نظر آتے ہیں۔ جماعت اسلامی سے طریق کار پر اختلاف ہوا تو نہایت شائستگی سے الگ ہو گئے لیکن نظر نصب العین سے سرِ مُو نہیں ہٹی۔ انجمن خُدام القرآن کے نام سے دعوتی و اشاعتی ادارہ قائم کیا اور تنظیم اسلامی کے نام سے ایک اسلامی انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ یوں ع ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ آپ واحد فرد تھے (جماعتوں کے علاوہ) جنہوں نے سب سے پہلے پیغامِ قرآن کا عَلَم اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ علامہ اقبال کی زبان میں ؎

گمان آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

یقین کی یہ قندیل تادمِ آخر انہوں نے تھامے رکھی۔

قارئینِ کرام! یہ سطور قلم برداشتہ ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا مشن ''دعوت رجوع الی القرآن'' ہر باشعور مسلمان کا مشن بن جانا چاہیے۔

(باقی صفحہ 82 پر)

شرم وحیا: شعورِ ذات کا تقاضا

راحیل گوہر صدیقی*

تحقیق وتجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر فرد میں شعورِ ذات (Self-Realization) کی صلاحیت پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے۔ اسے انسانی زندگی کے رہنما اصولوں کا ایک ایسا نظام یا وہ بیج کہا جاسکتا ہے جو پیدائش کے وقت ہر فرد میں بالقوّہ موجود ہوتا ہے اور سازگار حالات میں تناور درخت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر فرد فطری طور پر ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنی ذات کی نشوونما، فروغ اور استحکام کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ انسان کا ہر فعل خواہ اس کا تعلق جسمانی ضرورتوں کی تسکین سے ہو یا کسی ذہنی عمل سے، انہی اصولوں کے حوالے سے سرانجام پاتا ہے۔

امریکی ماہرِ نفسیات کارل روجرز (Carl Ransom Rogers) کا خیال ہے کہ ہر فرد اپنی تمام تر صلاحیتوں کا اظہار، ان کی نشوونما اور تکمیل چاہتا ہے۔ جب فرد اپنی پیدائشی صلاحیت کو فروغ دے لیتا ہے تو وہ ایک بھرپور اور صحت مند شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ روجرز کے مطابق چوں کہ ہر فرد بعض مخصوص حالات میں نشوونما پاتا ہے اور مخصوص تجربات سے گزرتا ہے لہٰذا شعورِ ذات کا عمل انہی حالات اور تجربات کی بنیاد پر سرانجام پاتا ہے۔ ایسی شخصیت کا مالک فرد اپنی ذات اور انفرادیت کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے اور بے چون و چرا وہی کچھ کرنا شروع کر دیتا ہے جو اس کے گردوپیش میں لوگ کرتے ہیں۔ دراصل کسی بھی معاشرے میں لوگوں کی کثیر تعداد تقلیدی ذہن لے کر پیدا ہوتی ہے، اس لیے جو کچھ ان کے اردگرد ہو رہا ہوتا ہے وہی کرنے لگتی ہے۔ تسلیم شدہ امور کو اسی طرح ماننا شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل اس کی ذات پر کیا اثرات مرتب کرے گا، اس کا شعور اسے نہیں ہوتا۔ ماحول کا اثر اس کے فہم وفکر پر ایک دھندسی طاری کر دیتا ہے، جس طرح عینک کے شیشوں پر اگر نمی آجائے تو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

* Email:raheelgoher5@gmail.com

بعض اوقات ہم قدرتی حوادث کی وجہ سے اپنی کسی خواہش کی تسکین سے قاصر رہ جاتے ہیں اور یوں مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سیلاب، زلزلہ، طوفان یا آسمانی بجلی کے گرنے سے انسانی زندگی میں خلل، دکھ اور مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم ہماری زیادہ تر مایوسی یا خیبت ایسی ہے جو انسانوں کے باہمی تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے ہم انسانی یا معاشرتی وجوہات کی بنا پر پیدا شدہ مایوسی کہیں گے۔ انسان کے انسان پر جبر سے پیدا شدہ خیبت بھی نوعِ انسانی کے مقدر کا حصّہ ہے۔

ایک اہم مسئلہ انسان کے اس ماحول کا بھی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اس میں داخلی و خارجی دونوں عوامل شامل ہوتے ہیں۔ داخلی عوامل میں گھر اور خاندان کی وہ تربیت ہے جو بچے کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ عہدِ طفولیت میں ہوئی اچھی یا بری تربیت انسان کی عمر کے آخری حصّے تک اس کی ذات سے چمٹی رہتی ہے۔ عام طور سے بچے کی بری تربیت اس کے ساتھ بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بچے کی جائز اور بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا یقیناً والدین کا فرض ہے لیکن خواہش اور ضرورت میں فرق ہوتا ہے۔ خواہشات کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو نہ کسی کی پوری ہوئی ہیں اور نہ ہوسکتی ہیں۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو خام ہے!

اس دنیا میں انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے خارجی معاملات اور اس کے بھیانک نتائج نہایت تشویش ناک ہیں۔ یہی وہ گمبھیر مسائل ہیں جنھوں نے انسانی معاشرت سے اخلاق واعلیٰ کردار کے جوہر خالص کا جنازہ نکال دیا ہے۔ خاص طور پر آج کا مسلمان معاشرہ تو اس کے فریب زدہ گرداب میں پھنس کر تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ باہمی حقوق کی حق تلفی، آپس کی رنجشیں جو اکثر قتل وغارت تک پہنچ جاتی ہیں، پُرتعیش زندگی کے لیے جعل سازیاں اور مکاریاں، نام نہاد غیرت کے نام پر لڑکوں اور لڑکیوں کا قتل، عصمت دری، کمسن بچیوں اور بچوں کو درندگی کا نشانہ بنانا، جیتے جاگتے انسانوں کو معمولی باتوں پر جان سے مار دینا اور انہیں زندہ جلا دینا۔ یہ ایسے انسانیت سوز مظاہر ہیں جو معاشرے کا امن وسکون غارت کر دینے کا باعث ہیں۔

اقوامِ عالَم نے اپنے معیارِ زندگی خود مرتّب کر لیے ہیں اور رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ انسانی زندگی کے تمام گوشے واضح طور پر کتاب اللہ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کو عملی صورت دینے کے لیے اللہ سبحانہ

وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا' تاکہ کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں تھا کہ تیرے احکام کی تعمیل کیسے کریں! ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾﴾ (الاحزاب)

''بے شک رسول اللہ (ﷺ) میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔''

عہدِ حاضر میں سب سے زیادہ گہری ضرب انسان کے اخلاق' اُس کی عصمت و پاکیزگی اور صالح کردار پر لگائی گئی ہے۔ اخلاق کی رفعت و عظمت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ اس عمل قبیح میں اپنے پرائے سب شریک ہیں اور قدم سے قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ اس ''کارِ خیر'' میں میڈیا ہراول دستے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اخلاق و کردار کی پاکیزگی کو ملیامیٹ کرنے کا سکرپٹ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے آتا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کے بگاڑ اور نسلوں کی تباہی و بربادی کی ایک بڑی وجہ شرم و حیا سے عاری میڈیا ہی ہے۔ یہ انسان کے اندر چھپی شیطنت کو اُبھارنے اور اس کے نفس امارہ میں انتشار و ہیجان پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کر رہا ہے۔ پرنٹ اور خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا اس وقت عالمی استعماری قوتوں کا آلہ کار بن چکا ہے۔ ہمارا ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' بھی اس یلغار کا شکار ہے۔ جس انداز سے میڈیا کے ذریعے عورت کی تذلیل کی جا رہی ہے وہ ایک اسلامی معاشرے کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

کیبل اور انٹرنیٹ نے تو ہماری غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ٹی وی ڈراموں' فلموں' ناچ گانوں کے واہیات پروگرامز اور ان کے درمیان چلنے والے اشتہارات میں عورت کو نیم عریاں حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ ایسی چیزوں کی تشہیر کی جاتی ہے کہ جسے فیملی کے افراد ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ حد تو یہ ہے کہ مردانہ استعمال کی بھی کوئی شے (product) ایسی نہیں جس میں عورت جلوہ گر نہ ہو۔ بلیڈ' شیونگ کریم اور لوشن جیسی پروڈکس میں بھی کوئی نہ کوئی خوب رُو عورت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اخلاقی گراوٹ میں لتھڑے اس سارے کھیل میں ملٹی نیشنل کمپنیاں شامل ہیں۔

صنف نازک کو بطورِ جنس پیش کرنا نوجوان نسل میں جنسی ہیجان ابھارنے کا ذریعہ بن رہا

ہے۔ عورتوں اور خاص طور پر کمسن بچیوں پر جنسی زیادتی کے واقعات میں روز افزوں اضافہ اسی ترغیب و تشویق کا منطقی نتیجہ ہے' جو مادر پدر آزاد میڈیا کی طرف سے دی جا رہی ہے۔

ابلاغ (communication) خواہ قلم و قرطاس کے ذریعہ سے ہو یا کیمرے اور سکرین کے توسط سے' اس کی حرمت اور تہذیب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اربابِ بست و کشاد کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس سے چشم پوشی کرنا مجرمانہ غفلت کے مترادف ہے۔ قوموں اور خاص طور پر نونہالوں کے ذہنوں میں اخلاقی کج روی اور حیوانیت کے شجرِ خبیثہ کا بیج ڈال دینا کھلی شیطنت ہے جو فحاشی' عریانیت' اعلیٰ انسانی قدروں کی پامالی' خباثت و نجاست کو فروغ دے کر ایک صالح معاشرے کو کچرے کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ ایسے معاشروں سے امن و سکون ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نہ کسی کی عزت محفوظ رہتی ہے نہ جان و مال۔

مغربی طاقتوں نے دیگر اقوام کو اپنا غلام بنانے کی حکمتِ عملی (strategy) تبدیل کر دی ہے۔ عصرِ حاضر میں اقوامِ عالم' جن میں ترجیحاً اُمّتِ مُسلمہ ہے' کو اپنا محکوم بنانے اور ان پر اپنی تہذیب و ثقافت مسلّط کرنے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو ہر زاویے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا پر اپنی گرفت مضبوط کر لی گئی ہے' کیوں کہ ذہنوں کو مسخر کرنے کے لیے یہ انتہائی مؤثر اور دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔

طاغوتی طاقتوں کی پوری کوشش ہے کہ اسلامی معاشرے میں لادینیت کا جال بچھایا جائے۔ اس عمل میں ان دانشوروں' مفکّرین اور دینی اسکالرز کو بھی شامل کیا جائے جو اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ شرم و حیا سے عاری ایک روشن خیال نسل تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام دشمن قوموں نے اپنے ایجنڈے کو عملی شکل دینے کے لیے ہمارے اندر ہی سے مہرے ڈھونڈ لیے ہیں۔ ان مذموم ارادوں میں مسلمان ملکوں کی حکومتیں ان کی پشتی بان ہیں۔ جس کسی کی آنکھوں میں اسلام اور اس کی اقدار کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں وہی ان کا چہیتا ہے۔ بیشتر مسلمان حکمراں مغرب کے دیے ہوئے ٹکڑوں پر ہی تو پل رہے ہیں۔ ان کی شاہ خرچیاں اور عیاشیاں مغرب ہی کی عطا ہیں۔

وہ کون سی طاقت ہے جو اخلاقی نظام بدلتی رہتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ اعمال جنہیں کسی ایک زمانہ یا جگہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے' کسی دوسرے عہد یا مقام پر بُرے تصوّر کیے جاتے ہیں؟

غالباً زندگی کی اقتصادی بنیادوں کی تبدیلی سے اخلاقی تصوّرات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ کبھی خاندان ایک اخلاقی اور اجتماعی مرکز تھا‘ اب اس کی یہ مرکزی حیثیت ختم ہوگئی ہے۔ صنعتی ترقی کے باعث خاندان اپنا سیاسی اور اقتصادی مقام کھو بیٹھا ہے۔ خاندانی وفا اور محبت کے سرچشمے خشک ہو رہے ہیں۔

بے حیائی کے نظارے تو برسوں سے ہمارے وطن عزیز میں نہ چاہتے ہوئے بھی دیکھنے کو مل ہی رہے تھے‘ حکومت کی طرف سے ایک حیا باختہ قانون ’’ٹرانس جینڈر ایکٹ‘‘ بھی اسمبلی میں پاس کرلیا گیا۔ خنثیٰ کے حقوق کی آڑ میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی کو فروغ دینے میں ایک اور سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔ مَرد سے مَرد کا اختلاط (Gay) اور عورت کا عورت سے اختلاط (Lesbian) کا راستہ ہموار کر دیا گیا ہے۔ قوم کے دردمند افراد اور دینی جماعتیں ابھی بدنامِ زمانہ ٹرانس جینڈر ایکٹ کے خلاف آواز اٹھا رہی تھیں کہ پاکستان میں LGBTQ+ کے غلیظ ایجنڈے کے نفاذ کے ضمن میں ایک اور قدم اٹھایا گیا ہے اور ہم جنس پرستی پر مبنی فلم ’’جوائے لینڈ‘‘ کی نمائش کے لیے سینسر بورڈ نے اجازت دے دی ہے۔ یہ فلم دراصل قومِ لوط کے مجرمانہ فعل کی تشہیر کرتی اور ترغیب دیتی ہے۔

یہ وہ عملِ قبیح ہے جس پر عمل کرنے والی قوم پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہوا تھا۔ ان کی بینائی سلب کر کے انہیں اندھا کر دیا گیا۔ پھر انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر دوبارہ زمین پر پٹخا گیا‘ پھر ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی گئی‘ اور آخر کار وہ بدبخت اور غلیظ قوم دنیا سے ملیامیٹ کر دی گئی۔ ان کے علاقے میں رواں دواں سمندر ان کی اس گھناؤنے گناہ کے سبب منجمد کر دیا گیا‘ جو اب بحیرۂ مردار (Dead Sea) کہلاتا ہے۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ مسلمان حکمران کسی بڑے سے بڑے عذاب سے بھی کوئی سبق سیکھنا نہیں چاہتے۔ ان کی آنکھوں پر حرص و ہوس اور لالچ و مفاد پرستی کی ایسی پٹی بندھی ہوئی ہے جو انہیں کچھ اور دیکھنے ہی نہیں دیتی۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن حکیم میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۡ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۡ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾ (الاعراف)

’’ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں‘ ان کے پاس آنکھیں ہیں جن وہ دیکھتے نہیں‘ اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چوپایوں کی مانند ہیں‘ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘

اسی سورۂ مبارکہ میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (آیت ۳۳)

’’کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے‘ چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔‘‘

فواحش کی یہ کثرت اور مقبولیت شہوانی جذبات کے جس اشتعال کا نتیجہ ہیں وہ لٹریچر‘ تصاویر‘ سینما‘ تھیٹر‘ رقص اور برہنگی و بے حیائی کے عام مظاہروں سے رونما ہوتا ہے۔ خود غرض سرمایہ داروں کا ایک پورا لشکر ہے جو ہر ممکن تدبیر سے عوام کی شہوانی پیاس کو بھڑکانے میں لگا ہوا ہے‘ اور اس ذریعے سے اپنے کاروبار کو فروغ دے رہا ہے۔ اخبارات اور رسالے انتہا درجہ کے فحش مضامین اور شرم ناک تصویریں شائع کرتے ہیں‘ کیوں کہ اشاعت بڑھانے کا یہ سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ صنفی مسائل پر حد درجہ ناپاک لٹریچر پمفلٹوں اور کتابوں کی شکل میں بھی نکلتا رہتا ہے۔ جہاں بداخلاقی‘ نفس پرستی اور لذاتِ جسمانی کی بندگی اس حد کو پہنچ چکی ہو‘ ایسی جگہ اُن تمام اسباب کا بروئے کار آجانا ایک طبعی امر ہے جو کسی قوم کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ذہنی‘ علمی‘ سیاسی اور جدید ذرائع ابلاغ سے کما حقہ واقفیت کا فقدان اور اس سے بھی بڑھ کر دین سے دوری مسلمانوں کے اخلاقی زوال اور نکبت و ادبار کا اصل سبب ہے۔ اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے‘ جس کی بے مثال تعلیمات میں انسان کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کی تعلیمات میں مجرموں‘ بدکرداروں‘ ملک و قوم کے باغیوں‘ اخلاق و انسانیت کے دشمنوں‘ معاشرے میں عزّت و عصمت اور پاکیزگی کی چادر تار تار کرنے والوں کی بیخ کنی کا پورا نظام موجود ہے۔ ایک نیک اور صالح معاشرے کے قیام کے لیے واضح ہدایات پیش کی گئی ہیں۔ بات صرف اپنا قبلہ درست کر لینے کی ہے۔ معاشرے کی صلاح و فلاح کے لیے اپنے اور اپنی نسلوں کے دشمنوں کو پہچان کر ان کے آلہ کار بننے سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ (النور)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

اصلاحِ حال کے لیے کوئی مثبت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانا ہماری قومی، نسلی، اخلاقی سلامتی و بقا کے لیے ازبس ضروری ہے۔ اس جانب قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت مستحضر رہے کہ معاشرے میں پھیلتی کسی بھی برائی کو ختم کرنے اور معاشرے کو نفیس و ستھرا کرنے کے لیے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ حالات اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ہمیں پورا معاشرہ نئے سرے سے تعمیر کرنا ہوگا، اور یہ کام اجتماعی سطح پر مضبوط اخلاقیات اور ضمیر کی طاقت کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہر شخص صرف اپنے دروازے کی صفائی کو ہی مدنظر رکھے اور محلے میں پھینکے جانے والے کچرے کی فکر نہ کرے تو ایک دن پوری گلی اور محلہ غلاظت کا ڈھیر بن جائے گا جس کے تعفن اور مضر اثرات سے محلے کا کوئی فرد بھی نہیں بچ سکے گا۔ غلاظت اور برائی اتنی تیزی سے پھیلتی ہے کہ اس پر قابو پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ سیلاب کا ریلا آنے سے پہلے بند نہ باندھا جائے تو پانی تباہی پھیلا دیتا ہے اور اپنی زد میں آنے والے کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں کے ساتھ انسانوں کو بھی زندگی سے محروم کر دیتا ہے۔ زندگی کا حسن ہی یہ ہے کہ خود بھی مصائب و آلام، معائب و رذائل سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے محفوظ رکھنے کی امکانی حد تک جدوجہد کریں۔ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فلسفہ ہے۔

مآخذ

(۱) شخصیت کی نشوونما، عبدالحمید

(۲) پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(۳) شخصیت کے نفسیاتی تعقلات، لارنس ایف شیفر/مترجم ہلال احمد زبیری

❁ ❁ ❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نظروں کی حفاظت

احمد علی محمودی

نظر کا فتنہ

دنیا میں آج تک رونما ہونے والے تمام فواحش و فجور کا اصل سبب نظر کا فتنہ ہے۔ اللہ ربّ العزت کان، آنکھ اور دل کے بارے میں بندے سے یقیناً سوال کریں گے۔ اس ضمن میں ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾

(بنی اسرائیل)

''بے شک یہ کان، آنکھیں اور دل، ان سب کے بارے میں روزِ قیامت سوال کیا جائے گا۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢٠﴾ (حٰمٓ السجدہ)

''یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں (یعنی دوسرے اعضا) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گی۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝١٩﴾ (المؤمن)

''وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔''

آیت بالا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''یہ وہ آدمی ہے جو لوگوں کے درمیان میں ہو، اس کے پاس سے عورت گزرے، تو وہ لوگوں کو یہ دکھاتا ہے کہ اس کی نگاہیں نیچی ہیں اور وہ عورت کو دیکھ نہیں رہا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو پھر عورت پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ اگر اسے خدشہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی حرکت

بھانپ جائیں گے تو اپنی نظروں کو جھکا دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بھید سے بخوبی واقف ہے کہ وہ آدمی نہ صرف عورت کو دیکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی خواہش تو اس کے مستور اعضاء بھی دیکھنے کی ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُه مِنَ الزِّنَا مُدْرِكُ ذٰلك لا مَحَالة: العَينانِ زِناهما النَظَرُ ، وَالأُذُنان زِناهما الاستِمَاعُ ، وَاللِّسان زِناهُ الكلامُ ، وَالْيَدُ زِناها البَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِناها الخُطَا ، وَالقَلْبُ يَهْوَى ويتمنّى، ويُصَدِّقُ ذٰلك الفَرْج أو يُكذِّبُه)) (متفق عليه، وهذا لفظ مسلم)

''ابن آدم کے لیے زنا میں سے اُس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے، جسے وہ لامحالہ پالے گا۔ آنکھوں کا زنا (شہوت سے) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (شہوت کی بات) بولنا ہے۔ کانوں کا زنا (شہوت کی بات) سننا ہے۔ ہاتھوں کا زنا (شہوت سے) تھامنا ہے اور پیروں کا زنا (شہوت کی ناجائز تکمیل کے لیے) چلنا ہے۔ دل خواہش، تمنّا اور آرزو کرتا ہے۔ پھر شرم گاہ یا تو اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔''

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کے زنا کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا، اس لیے کہ ہاتھ، پیر، دل اور شرم گاہ سب کی اصل محرک آنکھ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی نظروں کو پھیر دیا کرو''۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نگاہوں کے پھیرنے کا حکم دیا۔'' (صحیح مسلم) نگاہوں کو آزاد چھوڑنے کی تباہ کاری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بایں طور متنبہ فرمایا: ''نگاہ شیطان کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے۔'' (معجم الکبیر، ح: ۱۰۳۶۲) یعنی جیسے زہر میں بجھے تیر کا شکار بچ نہیں پاتا، اسی طرح نگاہ کا آوارہ استعمال کرنے والا گناہ میں پڑنے سے نہیں بچ سکتا۔

مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! پہلی نظر جو دفعتاً کسی عورت پر پڑ جائے وہ تو معاف ہے، اور اگر تم نے نظر کو جمائے رکھا یا دوبارہ نظر ڈالی تو اس کا وبال قیامت میں تم پر ہوگا۔''

نبی ﷺ نے نگاہوں کو نیچی رکھنے کے عمل کو راستے کے حقوق میں شامل فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' صحابہؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے میں ہمارے بیٹھنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم تو بیٹھے بیٹھے گفت وشنید کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق دو''۔ صحابہؓ نے پوچھا: راستے کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نگاہوں کو جھکائے رکھنا' تکلیف دہ چیز کو ہٹانا' سلام کا جواب دینا' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔''

شرم وحیا کا پیکر بننے کا طریقہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾ (النور)

''مسلمان مَردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ اُن کے کاموں سے خبردار ہے۔''

سورۃ النور بطورِ خاص اِسلامی معاشرے میں پردہ' حجاب اور شرم وحیا کی ضرورت واہمیت' اس کی خلاف ورزی کی مختلف صورتوں اور ان کے سنگین نتائج اور سزاؤں کے بیان پر مشتمل ہے۔ موجودہ زمانے میں بے پردگی' بے حیائی' ترکِ حجاب' نمائشِ لباس وبدن اور ناجائز زیب وزینت سے بھرپور ماحول میں اِس سورۂ مبارکہ کو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اِسی لیے حدیث مبارکہ میں حکم دیا گیا کہ ''اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ۔'' (مستدرک حاکم' ح: ۳۵۴۶)

اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ ''اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں'' یعنی بدکاری اور حرام سے بچیں۔ اس کا ایک طریقہ تو وہی ''نگاہوں کو جھکانا'' ہے اور مزید یہ ہے کہ اپنی شرم گاہ اور اُن سے متصل وہ تمام اعضاء جن کا چُھپانا ضروری ہے' انہیں چھپائیں اور پردے کا اہتمام رکھیں۔ ''نگاہیں نیچی رکھنا'' اور ''شرم گاہ کی حفاظت کرنا'' گناہوں سے بچنے کا وہ عمدہ ومفید ذریعہ ہے کہ خود ربّ العالمین اِس کی افادیت کے متعلق فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ﴾ ''یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے''۔ یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنا گناہ کی گندگی کے مقابلے

میں بہت پاکیزہ طریقہ ہے۔

اِن سب باتوں کے علاوہ آیت کے اِختتام پر گناہوں سے بچنے کے سب سے بنیادی اور مؤثر طریقے کی طرف بھی اِشارہ فرمادیا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اُن کے کاموں سے خبردار ہے۔'' یعنی گناہوں سے بچنے میں یہ تصور بہت مفید ہے کہ ''اللہ عزوجل مجھے دیکھ رہا ہے۔'' حقیقت یہی ہے کہ اگر یہ ہمارے دل ودماغ میں مُستحضَر رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جملہ اَعمال' نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ خیالات سے باخبر ہے تو تنہا یہی ایک تصوّر سب گناہوں سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

اِس بات سے کوئی مسلمان اِنکار نہیں کرسکتا کہ شرم وحیا اِسلامی معاشرے کی بنیادی اَقدار اور قرآن وسُنّت کے حکیمانہ اَحکام میں سے ہیں' اور اِس امر کو بھی کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ بدکاری اپنی تمام تر صورتوں کے ساتھ حرام ہے' خواہ رضامندی سے ہو یا جبری' پیسے کے بدلے میں ہو یا مفت۔ بے حیائی اور بدکاری انسان کے اخلاقی وجود کو رذالت میں ڈھال دیتی ہے۔ اُسے احسنِ تقویم (بہترین تخلیق) سے اَسفل سافلین (سب سے نچلے درجے) میں جا گراتی ہے۔ دین اسلام کی خوب صورتی یہ ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے' اُس سے بچنے کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل) ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ' یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے' اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔'' یعنی ہر اُس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

اِسلام نے بدکاری اور بے حیائی کو حرام قرار دیا تو اِس سے بچانے والے اسباب کے متعلق بھی ہدایات عطا فرمائیں۔ پردے کی تاکید' اجنبی مرد وعورت کا کسی بند جگہ تنہا نہ ہونا' اجنبی مرد وعورت کا بلاضرورت آپس میں کلام یا ملاقات نہ کرنا' عورتوں کا غیر مَردوں کے سامنے بھڑکیلے اور بے پردگی کے لباس نہ پہننا' بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا' جیسے اَحکام عطا فرمائے گئے۔ اِس طرح کے اَحکام کو اصولِ فقہ کی زبان میں ''سدِّ ذرائع'' (بُرائی کے اسباب ہی کو روک دینا) کہا جاتا ہے۔ اسی میں سے شرم وحیا کے متعلق ایک بنیادی حکم ''نگاہوں کو جھکا کر رکھنا'' ہے' جو سورۃ النور کی متذکرہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ اِس آیت میں مسلمان مَردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور جس چیز کو دیکھنا جائز نہیں اُس پر نظر نہ ڈالیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب تمہارے پاس سے کوئی (غیر محرم) عورت گزرے تو تم اپنی نگاہوں کو نیچے کرلو یہاں تک کہ عورت تمہارے پاس سے گزر جائے''۔ ربیع بن خیثمؒ ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو ان کے پاس سے چند عورتیں گزریں۔ آپ نے اپنی نگاہوں کو جھکا دیا۔ عورتوں نے جب انہیں دیکھا تو سمجھنے لگیں کہ وہ نابینا ہے' تو انھوں نے نابینا آدمی کو دیکھ کر اندھے پن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔

حکیم الامّت امام محمد غزالیؒ نے ''نگاہوں کی حفاظت'' پر ''سدِّ ذرائع'' کی روشنی میں بڑا حکیمانہ کلام فرمایا ہے:

''نظر نیچی رکھنا دل کو پاکیزہ بناتا ہے اور نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم نظر نیچی نہ رکھو بلکہ اسے آزادی سے ہر چیز پر ڈالو' تو بسا اوقات تم بے فائدہ اور فضول بھی اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردو گے اور رفتہ رفتہ تمہاری نظر حرام پر بھی پڑنا شروع ہوجائے گی۔ اب اگر جان بوجھ کر حرام پر (مثلاً نامحرم عورت یا خوبصورت مرد پر بُری خواہش سے) نظر ڈالو گے' تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور عین ممکن ہے کہ تمہارا دل حرام چیز پر فریفتہ ہوجائے اور تم تباہی (گناہ) کا شکار ہوجاؤ۔ اور اگر اس طرف دیکھنا حرام نہ ہو بلکہ جائز ہو (جیسے لوگوں کے مہنگے لباس' موبائل' کار' مکانات کو دیکھنا) تو ہوسکتا ہے کہ تمہارا دل (اُن میں) مشغول ہوجائے اور اِس کی وجہ سے تمہارے دل میں طرح طرح کے وساوس آنا شروع ہوجائیں (کہ یا تو لوگوں پر وساوس آئیں کہ حرام کمائی سے سب بنایا ہوگا اور یا پھر خود اُن کے حصول کی طلب میں خیالی پلاؤ پکاتے اور تڑپتے رہو گے) اور ان وساوس کا شکار ہوکر نیکیوں سے رہ جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اس (حرام اور مباح) کی طرف دیکھا ہی نہیں تو ہر فتنے اور وسوسے سے محفوظ رہو گے اور اپنے اندر راحت ونشاط محسوس کرو گے۔'' (منہاج العابدین' ص ۶۲)

بدنظری سے بچنے کے فضائل وانعامات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں:

((كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا عَيْنٌ غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ سَهِرَتْ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ خَرَجَ مِنْهَا مِثْلُ رَاسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ)) (الترغيب و الترهيب:۲۹۲۵)

''ہر آنکھ قیامت کے دن رو رہی ہوگی سوائے (تین آنکھوں کے' ایک) وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے سے) جھکی ہوگی' اور (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں (پہرہ دیتے ہوئے) جاگی ہوگی' اور (تیسری) وہ آنکھ جس سے مکھی کے سر کے برابر بھی (آنسو) اللہ کے خوف سے نکلا ہوگا۔''

ایک اور روایت میں ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرَى اَعْيُنُهُمُ النَّارَ: عَيْنٌ حَرَسَتْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ' وَعَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ' وَعَيْنٌ غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ)) (طبرانی کبیر:۴۱۶/۱۹)

''تین افراد ایسے ہیں (جو جہنم میں جانا تو درکنار) اُن کی آنکھیں جہنم کی آگ کو دیکھیں گی بھی نہیں: ایک وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگ کر پہرہ دیا ہوگا' دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہوگی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے) سے جھکی ہوگی۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں:

((اِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اصْدُقُوا اِذَا حَدَّثْتُمْ' وَاَوْفُوا اِذَا وَعَدْتُمْ' وَاَدُّوا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ' وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ' وَغُضُّوا اَبْصَارَكُمْ' وَكُفُّوا اَيْدِيَكُمْ)) (مستدرکِ حاکم:۸۰۲۶)

''تم لوگ مجھے چھ باتوں کی ضمانت دو' مَیں تمہیں جنّت کی ضمانت دیتا ہوں: جب بات کرو تو سچ بولو' جب وعدہ کرو تو اُسے پورا کرو' جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اُسے (بحسن وخوبی) ادا کرو' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اپنی نگاہوں کو (حرام چیزوں کو دیکھنے سے) جھکاؤ اور اپنے ہاتھوں کو (حرام سے) روکے رکھو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنگاہی سے بچنے اور نگاہ جھکا لینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا)) (مسند احمد' مشکوٰۃ: ۲۷۰)

''کوئی مسلمان اگر کسی عورت کے محاسن پر اوّل مرتبہ نظر پڑتے ہی اپنی نظر نیچی کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اسے دل میں محسوس ہوتی ہے۔''

غضِّ بصر کے دس فائدے

(۱) یہ اللہ کا حکم ہے اور جو انسان بھی فلاح پاتا ہے وہ اللہ کا حکم مان کر ہی پاتا ہے۔ جو ناکام ہوتا ہے‘ وہ حکم الٰہی نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔

(۲) نامحرم پر کی جانے والی نظر جو زہر آلود تیر دل تک پہنچا کر اسے ہلاک کرتی ہے‘ آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر دل تک نہیں پہنچے گا۔

(۳) نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجّہ سے اللہ کی محبّت پیدا ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے‘ ان کا دل منتشر رہتا ہے۔ آزادنگاہی‘ بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہوجاتی ہے۔

(۴) آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پُرسکون رہتا ہے جبکہ آزادنگاہی یعنی ہر غلط چیز یا نامحرم کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔

(۵) نگاہ ’’پست‘‘ رکھنے سے دل میں ’’نور‘‘ پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ سورۃ النور میں غضِّ بصر کی آیت کے بعد ہی آیت نور وارد ہوئی ہے‘ کیونکہ دل میں نور نظروں کی حفاظت ہی سے داخل ہوتا ہے۔ جب دل نورانی ہوجائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اُس انسان کی طرف دوڑتی ہے اور جن کے دل میں تاریکی ہو اُن کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رہتے ہیں۔

(۶) اللہ کا اصول ہے کہ اس کے لیے جو کچھ چھوڑا جائے‘ وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ وہ بصیرت دے گا‘ فہم وفراست کی نگاہ عطا کرے گا۔

(۷) آزادنگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے۔ خود کو اپنے نفس کے قدموں میں ڈال کر آپ اپنی ذات بے توقیر کر دیتا ہے۔ جو شخص نگاہ کی حفاظت کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اسے لوگوں میں بھی عزّت دیتا ہے اور فرشتوں میں بھی‘ دنیا میں بھی عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔

(۸) نگاہ کے ذریعہ شیطان نہایت تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے۔ وہ اُمیدیں دلاتا ہے‘ توجیہات پیش کرتا ہے۔ پھر انسان گناہ کی آگ میں ایسے جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور کی آگ میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لیے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔

(۹) غضِّ بصر سے دل کو قرآن پر غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں‘ ان کے دل اتنے اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ قرآن پر غور وفکر کرنے کی سعادت ان کا مقدر نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک رابطہ (link) ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول ہو‘ اسی کام میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے اور ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی نگاہ کو صاف رکھنا چاہیے۔

حفاظتِ نظر کا ایک عجیب فائدہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختؒر نے اپنے ملفوظات میں نظر کی حفاظت کا ایک عجیب فائدہ بیان فرمایا جو واقعی لاجواب ہے:

’’میرے دوست نے بتایا کہ ایک فرانسیسی جوڑا ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے نظر کی حفاظت کا حکم دیا ہے‘ اس کے فائدے یہ ہیں کہ شوہر کے دل میں بیوی کی محبّت بس جاتی ہے۔ جب غیروں کو نہیں دیکھتا تو اس کی نظر کا تمام مرکز اس کی بیوی ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی سے محبّت بڑھ جاتی ہے‘ تو بیوی بھی خوش رہتی ہے اور شوہر بھی خوش رہتا ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں ترقی معکوس ہے یعنی الٹی ترقی۔ اللہ کے غضب اور قہر والی ترقی ہے۔ ان کی ہر بیوی ہر وقت خائف رہتی ہے۔ شوہر نے اگر کسی عورت سے مسکرا کر بات کرلی تو عورت جل کے خاک ہوجاتی ہے‘ دل تڑپ جاتا ہے کہ ہائے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم اس عورت سے پھنسا ہوا ہے‘ اور اگر عورت نے کسی مرد سے ہنس کر بات کرلی اور ہاتھ ملا لیا تو شوہر صاحب کی نیند حرام ہوجاتی ہے‘ سمجھتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ غرض سارا یورپ آج عذاب میں مبتلا ہے۔

اس کے بعد اس دوست نے کہا کہ زیادہ نہیں صرف تین دن تم کسی نامحرم کو نہ دیکھو‘ اپنی بیوی کو دیکھو اور عورت صرف اپنے شوہر کو دیکھے۔ صرف تین دن قرآن کی آیت: ﴿یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ﴾ (النور:۳۰) پر عمل کرلو کہ اے ایمان والو! اپنی نگاہوں کو نیچی کرلو۔ نامحرم عورتوں کو‘ کسی کی ماں بہن بیٹی کو مت دیکھو۔ کسی کی بیوی کو مت دیکھو۔ اس کے بعد تم محسوس کرو گے کہ تمہیں اپنی بیوی کو دیکھنے میں اور تمہاری بیوی کو تمہیں

دیکھنے میں کتنا مزا آتا ہے‘ کیونکہ شبہات ختم ہوجائیں گے۔ یوں زندگی خوش گوار ہوجائے گی۔ اس فرانسیسی عورت نے داڑھی والے دوست کا شکریہ ادا کیا کہ ہم بات بالکل سمجھ گئے کہ واقعی بدنظری کی وجہ سے سارا یورپ عذاب میں مبتلا ہے۔‘‘

بُری عادات ترک کرنے کا طریقہ

گناہ چھوڑنے کے لیے عزم وہمت ضروری ہے۔ اس لیے انسان اولاً تو سابقہ گناہوں پر سچے دل سے ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرے‘ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے‘ توبہ پر استقامت مانگے‘ اور گناہ سے بچنے کے اسباب اختیار کرے۔ مثلاً اگر تنہائی کے گناہ ہیں تو اپنے آپ کو تنہائی سے بچائے‘ بُری صحبت سے بچے‘ نیک صحبت اختیار کرے‘ (ہوسکے تو کسی متبعِ شریعت عالم سے اصلاحی تعلق قائم کرلے) کثرت سے روزے رکھے‘ گناہ ہوجانے کی صورت میں اپنے نفس کو ایسے اعمالِ صالحہ اختیار کرکے سزا دے جو اس پر بھاری گزریں۔ مثلاً دس بیس رکعات نوافل پڑھے‘ ایک دو وقت کا فاقہ کرے‘ کچھ زیادہ رقم صدقہ کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا بھی کرتا رہے تو امید ہے کہ گناہوں سے بچ جائے گا۔

بے حیائی سے بچنے کی دعا

بے حیائی ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ پستی وزوال سے دوچار ہوجاتا ہے۔ اس کی انتہا زنا ہے جو قبیح ترین گناہ ہے‘ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے رہیں اور ہمیشہ تصورِ آخرت ذہن ودل میں جمائے رکھیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ صحابۂ کرام واہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔ اس آیت کریمہ کو بطور وِرد پڑھتے رہیں: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ (الانعام:۱۵۱) ’’اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔‘‘ اس قرآنی دعا کو بھی اپنا معمول بنائیں:

﴿رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾﴾ (المؤمنون)

’’اے میرے رب! مَیں تیری پناہ میں آتا ہوں شیاطین کی چھوت سے۔ اور اے میرے رب! مَیں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔‘‘

بدنظری کا علاج

شیخ خالد الجبیر کہتے ہیں کہ میرا ایک جاننے والا سمجھدار انسان تھا‘ لیکن وہ عورتوں کو بڑی عجیب اور بری نظروں سے دیکھتا تھا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ میرے پاس اللہ کے حکم سے اس بیماری کا سو فیصد مکمل علاج ہے۔ کہنے لگا: کیا واقعی میں اس گناہ سے نجات پاسکوں گا؟ مَیں نے کہا: جی ہاں! سنو! تم اس بات کا ارادہ کرلو کہ جتنی دفعہ بھی بدنظری کا شکار ہوگے‘ اتنی دفعہ وضو کرکے دو رکعات نماز پڑھو گے۔ کہنے لگا: یہ تو بہت زیادہ ہے۔ ہر دفعہ دو رکعات ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مَیں نے کہا: جنّت چاہیے یا جہنم؟ کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے تو جنّت چاہیے۔ مَیں نے کہا: بس پھر صرف ہر بدنظری پر دو رکعات ادا کرنے کا ارادہ کرو‘ اللہ کی قسم شیطان خود تمہاری نظروں کو نیچے رکھے گا‘ کیونکہ اُس کے نزدیک اللہ کو سجدہ کرنا بدنظری سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔ صرف دو رکعات ادا کرنے سے اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کہنے لگا: اچھا ٹھیک ہے۔

پھر مَیں نے ایک ماہ بعد اس سے بات کی اور پوچھا: اب بتاؤ! کیسا رہا علاج؟ ہنستے ہوئے کہنے لگا: اللہ کی قسم ڈاکٹر صاحب! پہلے ہفتے دس دفعہ دو رکعات ادا کیں‘ دوسرے ہفتے ۵ دفعہ‘ تیسرے ہفتے ۲ دفعہ اور چوتھے ہفتے ایک دفعہ۔ واللہ یا شیخ! اب تو ایسا ہوگیا ہے کہ مَیں کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھوں تو لگتا ہے جیسے کوئی مجھے بدنظری سے منع کررہا ہے۔

بدنظری کی قباحت اور اس کے نقصانات

بدنظری ایسا چور دروازہ ہے کہ عام طور پر برائی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اور اسی بداحتیاطی کی وجہ سے زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بٹہ لگ جاتا ہے۔ اس بدترین گناہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے اوّلاً بدنظری کے ہر دروازے کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ بدنظری ہی فواحش کا دروازہ ہے اور برائیوں پر بنداسی وقت ممکن ہے جبکہ بدنظری پر روک لگائی جائے۔ جب تک نظر محفوظ نہ ہو‘ شرم گاہ کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی جاسکتی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَتَغُضُّنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَكُمْ أَوْلَيَكْسِفَنَّ اللّٰهُ وُجُوهَكُمْ))

(رواه الطبرانی)

’’تم لوگ ضرور اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کرو اور اپنی شرم گاہوں کی ضرور حفاظت کیا کرو‘

ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور تمہارے چہروں کو بے رونق کردے گا۔‘‘

مذکورہ روایت میں بدنظری اور شرم گاہ کی حفاظت کے حکم کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر نگاہ کی حفاظت نہ کی گئی اور شرم گاہ کو حرام کاری سے نہ بچایا گیا تو اللہ تعالیٰ چہروں کی رونق کو ختم کردے گا۔ یعنی اس برے عمل پر آخرت میں جو سزا مرتب ہوگی وہ تو الگ ہے‘ دنیا میں اس کا برا اثر یوں ظاہر ہوگا کہ ایسے شخص کے چہرے سے رونق جاتی رہے گی اور اس کے چہرے پر نحوست ٹپکنے لگے گی۔

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے بدنظری کرنے والے اور جو بدنظری کی دعوت دے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ)) (مشكوٰة المصابيح: ٢٧)

’’بدنظری کرنے والے اور جس کی طرف بدنظری کی جائے‘ دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔‘‘

منظور الیہ یعنی جس کی طرف دیکھا جارہا ہے‘ وہ اس وجہ سے لعنت کا مستحق ہے کہ وہ اپنی چال ڈھال‘ ناز وادا اور لباس کی آرائش وزینت سے دوسرے کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا گیا۔

موجودہ زمانہ میں بدنظری کی وبا آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک عظیم سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ہر جگہ فحش مناظر عام ہوگئے ہیں۔ بازار‘ شاپنگ مالز‘ دکانیں‘ سڑکیں‘ چوراہے‘ مکانات کی دیواریں حتیٰ کہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی فحش تصاویر سے آراستہ ہوگئی ہیں۔ اخبارات ورسائل اور سوشل میڈیا بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے ہیں‘ جس کی وجہ سے آج کل ایک شریف اور دین دار آدمی کا اخبارات پڑھنا‘ ٹیلی ویژن دیکھنا‘ موبائل استعمال کرنا‘ راستوں میں چلنا‘ بازاروں میں جانا‘ بہت دشوار ہوگیا ہے۔ اس پر ستم یہ کہ اس وبا اور سیلاب پر بند لگانے کی فکر کی بجائے ہر کوئی اپنی دنیا چمکانے کی غرض سے فحش تصاویر اور عریاں پوسٹر آویزاں کرکے اس برائی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ فواحش کی کثرت کا برا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے افراد بدنظری میں مبتلا ہوجاتے ہیں جو بعد میں بڑے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ پھر اس گناہ کو ہلکا سمجھنا اور اس پر جمے رہنا اور بھی زیادہ مضر ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’بدنگاہی ایسا گناہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا۔ اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا اثر بھی نہیں ہوتا اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے جوان تو جوان بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری کے لیے تو بہت سی تدابیر کرنی پڑتی ہیں‘ پیسہ بھی پاس ہو دوسرا بھی راضی ہو وغیرہ‘ مگر اس گناہ (بدنظری) کو کرنے میں کسی سامان کی ضرورت نہیں‘ اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے چونکہ اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیسی نیت ہے! کسی کو گھور لیا تو پھر بھی صوفی صاحب صوفی ہی رہے‘ حاجی صاحب حاجی ہی رہے‘ پیر صاحب پیر ہی رہے‘ مولوی صاحب مولوی ہی رہے‘ قاری صاحب قاری ہی رہے۔ اس گھورنے سے صوفی صاحب کے صوفی ہونے میں کوئی فرق نہ آیا‘ حاجی صاحب کے حاجی ہونے میں فرق نہ آیا‘ پیر صاحب کے پیر ہونے میں فرق نہ آیا‘ مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق نہ آیا‘ نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی فرق آیا۔ اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر بدنگاہی میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے جو کسی اور گناہ میں نہیں کہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ جب ان کو خوب دل بھر کے کرچکے تو پھر دل ان سے ہٹ جاتا ہے‘ مگر بدنگاہی ایسی بری چیز ہے کہ جتنی بدنگاہی کرتا ہے اتنی ہی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔‘‘

بدنظری کے نقصان کا اندازہ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتا ہے:

’’ہرے بھرے درخت کے پاس آگ جلا دو تو اس کے تروتازہ پتے مرجھا جاتے ہیں اور دوبارہ بہت مشکل سے ہرے ہوتے ہیں۔ سال بھر کھاد پانی دو‘ تب کہیں جاکر ہرے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ذکر‘ عبادت اور صحبت اہل اللہ سے جو انوارات قلب میں پیدا ہوتے ہیں اگر ایک بار بدنظری کرلی تو باطن کا ستیاناس ہوجاتا ہے۔ دوبارہ ایمانی حلاوت اور ذکر کے انوارات بحال ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بدنگاہی کی ظلمت بہت مشکل سے دور ہوتی ہے۔ بہت توبہ‘ استغفار‘ گریہ وزاری اور بار بار حفاظت نظر کے اہتمام سے کہیں قلب کو دوبارہ ایمان کی حیات ملتی ہے۔‘‘

حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا: نگاہوں کی حفاظت کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: ’’یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمہاری نظر سے بہت تیز ہے۔‘‘

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف ’’بدنظری کا علاج‘‘ اس سلسلہ کی ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت حکیم الاُمّت

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یہ بات تو ذہن اور دل پر اچھی طرح نقش کر لینی چاہیے کہ امورِ اختیار یہ کا علاج بجز ارادہ اور ہمت کے کچھ نہیں۔ پس تقاضا کے وقت ہمت کر کے نفس کو روکنا ہی اس کا بہترین علاج ہے۔ پھر دھیرے دھیرے تقاضا کی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان شاء اللہ اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

بدنگاہی کے جسم پر اثرات

نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں' وہیں جمتی ہیں۔ پھر اُن کا اچھا اور برا اثر اعصاب و دماغ اور ہارمونز پر پڑتا ہے۔ کسی پر شہوت کی نگاہ ڈالنے سے ہارمونز کے نظام میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کے اخراج کا باعث بنتا ہے جس سے آدمی بے شمار امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ صرف دیکھا ہی تو ہے۔ یہ کون سا غلط کام کیا ہے؟ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اچانک اگر شیر یا سانپ سامنے آ جائے تو انہیں صرف دیکھنے سے انسانی جان پر کیا بنتی ہے؟ سبزہ اور پھول دیکھے جاتے ہیں تو دل مسرور اور مطمئن کیوں ہوتا ہے؟ کسی زخمی اور لہولہان کو صرف دیکھتے ہی تو ہیں لیکن پھر پریشان' غمگین اور بعض بے ہوش تک ہو جاتے ہیں! آخر کیوں؟ طبی تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ڈپریشن' بے چینی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے' جس کا علاج ناممکن ہے' کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچنے کے لیے صرف اور صرف اسلامی تعلیمات ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

بعض لوگوں کے تجربات بتاتے ہیں کہ صرف تین دن نگاہوں کو شہوانی محرکات' خوبصورت چہروں اور عمارتوں میں لگائیں تو جسم میں درد' بے چینی' تکان' دماغ بوجھل بوجھل اور جسم کے عضلات کھنچے جاتے ہیں۔ اگر اس کیفیت کو دور کرنے کے لیے سکون آور ادویات استعمال کی جائیں تو ان کا اثر کچھ وقت کے لیے تو ہوتا ہے' پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج نگاہوں کی حفاظت ہی ہے۔ مَردوں اور عورتوں کو عفت اور پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھنا چاہیے۔ آج بے شرمی اور بے حیائی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ نظروں کو محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ظاہری و عملی شکل تو یہی ہے جو قرآن نے ہمیں بتائی کہ چلتے پھرتے اپنی نگاہوں کو پست (جھکا کر) رکھیں اور دل کے اندر اللہ کا خوف

ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس قدر اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہو گا' اتنا ہی حرام چیزوں سے بچنا آسان ہو گا۔

بدنظری کے طبّی نقصانات

بدنظری سے کئی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بدنظری چاہے ایک سیکنڈ کی ہو' دل کو ضعف ہو جاتا ہے۔ فوراً کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کبھی اِدھر دیکھتا ہے تو کبھی اُدھر دیکھ رہا ہے کہ کوئی موجود تو نہیں۔ اس کشمکش سے قلب میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ گندے خیالات سے مثانے کے غدود متورم ہو جاتے ہیں' جس سے بار بار پیشاب آنے لگتا ہے۔ پیشاب سے پہلے یا بعد میں رطوبتوں کے اخراج کا معاملہ ہو جاتا ہے اور انسان کو گویا ''جسمانی دیمک'' کی بیماریاں لگ جاتی ہیں' جن کی تعداد مرد اور عورت دونوں میں ہی آج کل بہت زیادہ ہے۔ ان سب معاملات سے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں' جس سے دماغ کمزور اور نسیان پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر عصیان (برائی) کا سبب نسیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے قوتِ دماغ اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھول کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کا علم بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر گردے کمزور ہوتے ہیں اور بدنگاہی کی بدعادت میں سارے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب کہیں زلزلہ آتا ہے تو عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔ گناہ بھی نفس و شیطان کی طرف سے ایک زلزلہ ہی ہوتا ہے۔ اگر اچانک نظر پڑی اور فوراً ہٹالی تو بھی دل میں جھٹکا سا لگتا ہے مگر گناہ کرنے کی سوچ اور بری نظر سے بار بار یا مسلسل دیکھتے رہنے پر زلزلے کی صورت لعنت برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہنی اور دلی بے سکونی کی صورت میں عذاب کے جھٹکے لگتے ہیں!!!

علّامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تُو بے باک نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ ہمیں قلبِ منیب اور فہمِ سلیم عطا فرما کر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

❁❁❁

اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

توحید باری تعالیٰ انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے لیکن اکثریت اس کا ادراک نہیں رکھتی۔ انسان کا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ لوگ فوت ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز کو فنا ہے۔ کائنات کی ہر چیز نیست ہو جاتی ہے۔ کسی کی عمر تھوڑی ہوتی ہے کسی کی زیادہ' مگر فنا ہر کسی کو ہے۔ چاند سورج بھی اجرام ہیں۔ عقل سلیم کو تسلیم ہے کہ یہ بھی ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ کچھ بے عقلوں نے ان کی لمبی عمر سے دھوکا کھا کر انہیں ربّ مان لیا ہے' حالانکہ جس طرح کائنات کی ہر چیز فانی ہے سورج چاند بھی ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ وہ اپنی عمر پوری کر رہے ہیں۔ وہ کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص ان سے کوئی حاجت چاہے تو وہ پوری نہیں کر سکتے۔ محض کسی مالک کا حکم مان رہے ہیں' ان کو اختیار نہیں کہ طلوع وغروب کے مقرر کردہ اوقات سے لمحہ بھر کی کمی بیشی کر سکیں۔

اگر ان حقائق پر غور کریں تو بادنیٰ تامل یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساری کائنات کا کوئی ایک مالک ہے جو اس قدر بااختیار ہے کہ ہر شے اُس کے حکم کی پابند ہے۔ اس پابندی سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ جانداروں کو فنا ہوتا ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح نباتات اور درخت اپنی عمر پوری کر کے سوکھ جاتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی شکست وریخت ہوتی رہتی ہے' زمین کے تغیر وتبدل عیاں ہیں۔ آسمان جوں کا توں کھڑا ہے' اگر بااختیار ہوتا تو اس میں تبدیلی ہوتی نظر آتی۔ اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شے ایک دن تباہ ہو جائے گی۔ صرف وہ ہستی باقی رہ جائے گی جس کو بقا ہے۔ وہ ہستی جس نے کائنات کو بنایا اور چلایا ہے وہ ایک ہی ہے۔ وہی خدا ہے۔ وہ اکیلا ہے' اُس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایک سے زیادہ مالک تسلیم کرنا تو بدیہی طور پر ناممکن ہے۔ اگر دو یا زیادہ بااختیار مالک ہوں تو یہ کائنات ایک گھڑی بھی قائم

نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت پر معمولی سا غور کرنا بھی توحید کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔

دنیا کے لوگ مختلف مذاہب کو ماننے والے ہیں۔ انسانوں کی کثیر تعداد عقل کے استعمال کو شجر ممنوعہ سمجھتی ہے' حالانکہ اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ عام طور پر انسان اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے عقائد کو بلا سوچے سمجھے مان لیتا ہے' خواہ عقل انسانی معمولی غور سے اس کا انکار کرتی ہو۔ یہاں تک کہ بعض سائنسی حقائق جو انسان کے تجربے میں آ چکے ہیں ان کو بھی نہیں مانا جاتا۔ مثلاً اب تک کچھ لوگ زمین کا گول ہونا تسلیم نہیں کرتے' کیونکہ ان کے اسلاف زمین کو مُسَطَّح (چپٹی) کہہ چکے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ اسی طرح ہاتھ سے بنائے ہوئے بت بھی بااختیار مانے جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں' نہ بول سکتے ہیں' نہ سن سکتے ہیں۔ انسانوں کا یہ حال ہے کہ ان بتوں کے سامنے طرح طرح کے کھانے بھی رکھتے ہیں' حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کچھ کھا نہیں سکتے۔ عقل سے کام نہ لینا توحید کو نہ ماننے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دنیاوی معاملات میں ہم قدم قدم پر عقل کی روشنی میں کام کرتے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے' سچ اور جھوٹ' اچھے اور برے میں تمیز عقل ہی سے کی جاتی ہے۔ ایسے میں ربِّ کائنات کے بارے میں عقل سے کام نہ لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ طرزِ فکر انسان کو حقیقت سے دور رکھتا ہے۔

مسلمان اگرچہ دین توحید کے حامل تو ہیں مگر ان میں اکثر فہم توحید میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ انسانوں' جنوں اور فرشتوں کو بااختیار مان کر اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں' حالانکہ وہ سب بے اختیار ہیں اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ مسلمان خود دیکھ رہا ہے کہ جن انسانوں کو وہ بااختیار سمجھتا ہے وہ بھی فوت ہو جاتے ہیں اور انہیں مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر بااختیار کون ہے؟ وہی جو حی وقیوم ہے' جو سمیع وبصیر ہے' جو موت وحیات کا مالک ہے۔ وہی اولاد دیتا ہے۔ وہ نیک وبد' صالح وبدکردار' مسلمان اور غیر مسلم سب کا رب ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے' سب کو دیکھتا ہے۔ اس نے انسان کی سرشت میں اچھائی اور برائی کی تمیز رکھ دی ہے۔ اچھے کاموں پر اجر اور برے کاموں پر سزا دینے کا بتا دیا ہے۔ کوئی شخص اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ زندگی اور موت اس کا بڑا ثبوت ہے۔ نہ کوئی عام شخص زندہ رہا نہ کوئی پیغمبر۔ بس وہی

ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنا توحید ہے۔

توحید کے عقیدے سے وہ لوگ بھی دور رہتے ہیں جو کسی غلط ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ یہودی کے گھر پیدا ہونے والا یہودی ہوتا ہے اور عیسائیوں کے گھر پیدا ہونے والے عیسائی ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کی باتوں کو بلا سوچے سمجھے تسلیم کرنا انہیں حق سے دور رکھتا ہے۔ کتنے ہی غیر مسلم ہیں جو اسلام کی حقانیت کو مانتے ہیں' مگر اپنے ماحول کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ بڑا ہو کر جب تحقیق کرتا ہے تو سچائی تک پہنچ جاتا ہے' یعنی ایک خدا کو مان لیتا ہے مگر اپنے آبائی ماحول کا اثر اس پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ سچی بات برملا نہیں کہہ سکتا۔ مخالفت کے خوف سے وہ آنکھیں بند کر کے عقل و شعور میں آنے والے یقین کو رد کر دیتا ہے۔ سچائی یقیناً کڑوی ہوتی ہے۔ ماحول کی مطابقت آسان ہوتی ہے۔ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا تو آسان ہوتا ہے مگر اس کے مخالف جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سچ تک وہی انسان پہنچ سکتا ہے جو سوچے سمجھے اور تحقیق کرے' کسی شخصیت سے خوامخواہ متاثر نہ ہو۔ سچائی تک پہنچنے کے لیے ماحول کی گرفت سے آزاد ہونا اور سمجھ سے کام لینا بہت ضروری ہے۔

انسان ہمیشہ سے دیکھتا چلا آ رہا ہے کہ ملک میں بادشاہ ایک ہوتا ہے' لوگ اس کی رعایا ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے۔ وہ سلطنت کا مالک ہوتا ہے۔ بادشاہ عوام کی نظروں سے دور عالی شان محلوں میں رہتا ہے۔ اس کے کچھ وزیر' مشیر اور مقربین ہوتے ہیں جو اُس کے حکم کے مطابق اُس کی سلطنت کا نظام چلاتے ہیں۔ بادشاہ اُن کی سفارش پر کسی کو انعام دیتا ہے اور کسی کو سزا۔ سفارش کرنے والے مجرموں کو بے گناہ ثابت کر کے سزا سے بچا لیتے ہیں اور کبھی ذاتی دشمنی کی بنا پر بے گناہ کو سزا کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ جس کا تعلق کسی وزیر مشیر سے ہوتا ہے وہ دوسروں پر رعب جماتا ہے اور انہیں ڈرا دھمکا کر اپنے کام کراتا ہے۔ بادشاہ خود اصل صورتِ حال سے واقف نہیں ہوتا' اس لیے اپنے مقربین کی بات کو ہی سچ سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق حکم جاری کرتا ہے۔

ہر دور میں انسانوں کے ایک بڑے گروہ نے اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی کائنات کا کچھ اسی طرح کا حکمران ہے جس نے ارض و سما کا انتظام چلانے کے لیے

کچھ مددگار رکھے ہوئے ہیں جن پر وہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی یقین کی بنا پر عام لوگ ان بااثر لوگوں کی خوشامد کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ان کے کام کروا لیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ ایک بے مثل ہستی ہے۔ اس کو دنیا کے حکمران کی طرح سمجھنا بے عقلی اور اس کی عظمت سے ناواقفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کے نہ صرف عمل سے واقف ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے کس نیت سے یہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مشیر' وزیر نہیں ہیں۔ اُس کے سامنے تمام مخلوقات بے اختیار ہیں۔ فرشتے اُس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا میں عام مومنین ہوں یا بڑے عبادت گزار' وہ احکامِ الٰہی کی پابندی میں ہی خیر سمجھتے ہیں۔ خود کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اُس کی رضا چاہتے اور اُس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہر طرح سے اُس کے محتاج ہیں۔ ربّ العالمین کا طرزِ حکومت اور کاروبارِ جہاں بانی انسان کے طرزِ حکمرانی سے قطعاً مختلف ہے' کیونکہ اُس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔ انسان اپنے جیسے جن انسانوں کو بااختیار سمجھتا ہے ایک دن وہ اپنی زندگی پوری کر کے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں جبکہ خالق کائنات ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی وہ پوری شان اور اختیار کے ساتھ زندہ رہے گا۔

تعجب ہے ان مسلمانوں پر جو اللہ تعالیٰ کو بے مثل تو مانتے ہیں اور ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (الاخلاص) پر یقین بھی رکھتے ہیں' لیکن پھر بھی اپنے پسندیدہ اشخاص کو بااختیار مانتے اور حاجت روا جانتے ہیں۔ ان کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ افسوس کہ جن لوگوں کو اپنے ہاتھوں دفن کرتے ہیں' ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں ہرگز یہ نہیں بتایا کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کے کام آ سکتے ہیں' ان سے اپنی حاجات مانگی جائیں' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کی دعاؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ گویا زندہ لوگ مُردہ لوگوں سے کچھ مانگنے کی بجائے ان کے لیے بخشش اور رفع درجات کی دعا کریں اور خود قرآن و سُنّت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی جِدّ و جُہد کرتے رہیں۔

❁❁❁

سُود: ایک سنگین گناہ

حافظ محمد اسد

مال اللہ ﷻ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے میں معاون و مددگار بھی ہے۔ جہاں اللہ ﷻ نے حصولِ رزقِ حلال کو عین عبادت قرار دیا ہے، وہیں اس مال کا حق ادا کرنے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بھی متعین فرمائے ہیں۔ انسان محنت مزدوری کر کے جب اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کو صدقہ کرنے کا ثواب بطور اعزاز عطا کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ ﷻ کی خاص عنایت اور اس کا کرم ہے۔ اکثر حصولِ معاش کی فکر میں انسان اللہ ﷻ کی بندگی سے غافل اور آخرت میں جواب دہی کی فکر سے آزاد ہو کر ہمہ وقت اسی غم وفکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کہیں سے بھی مال ہاتھ آجائے۔ نتیجتاً اس کو حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ وہ جو چاہے کرتا چلا جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ بالآخر اس کو اللہ ﷻ کے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَومَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ فِيهِ؟ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ؟ وفِيمَ أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ؟)) (رواه الترمذی والدارمی)

''قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے: اُس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا؟ اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا؟''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس ذریعے سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا؟ یعنی حلال وطیب رزق کو خرچ بھی حلال جگہ پر ہی کرنا ہے۔ افسوس کہ

آج مال کی محبت اور دنیا کی عارضی زیب وزینت کی کشش ہمارے اذہان وقلوب پر اس قدر چھا چکی ہے کہ ہم اس امر کا خیال ہی نہیں رکھتے کہ جائز کاروبار کر رہے ہیں یا ناجائز! اس پر مستزاد یہ کہ اکثریت کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ جس نظام کے اندر ہم سانس لے رہے ہیں یہ سود کے گرد وغبار سے بھی پاک نہیں ہے۔ اس کی خبر صادق ومصدوق آقا ﷺ نے کچھ اس انداز میں دی ہے:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا، فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ)) (رواه ابن ماجه)

''لوگوں پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ ان میں سے کوئی بھی سود سے نہ بچ سکے گا، اور کوئی شخص سود خوری سے بچ بھی گیا تو بھی سود کے دھوئیں اور غبار سے نہیں بچ سکے گا۔''

اس حدیث کے تناظر میں ہم اگر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تقریباً پورا تجارتی نظام سود پر منحصر ہو چکا ہے۔ سودی نظام کی زنجیر نے عالمی معیشت کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ کسی کا حلال مال بھی پورے طور پر سود کے دھوئیں اور غبار سے محفوظ نہیں ہے۔

سود خور محنت کی ناقدری جب کہ سرمائے کی برتری جتلاتا ہے۔ اپنا سرمایہ لگا کر محنت سے جی چراتا ہے۔ سرمایہ دار کو سود کی وجہ سے کبھی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ انسانی محنت اگر ضائع بھی ہو جائے تب بھی سرمایہ دار اپنا سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ صورتِ حال عقل، منطق، اَخلاقیات ہر اعتبار سے غیر منصفانہ ہے۔

تہذیب وتمدن کا قتل بھی اس سودی نظام کا مرہونِ منّت ہے۔ سودی نظام بظاہر معاشی تعمیر وترقی کا ذریعہ ہے لیکن اس کا عملی اطلاق دراصل انسانیت پر سرمائے کی فوقیت تسلیم کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تہذیب میں شرافت، ہمدردی، رزقِ حلال اور انسانیت کی قدر گرتی جا رہی ہے جبکہ لالچ، حرص، لوٹ کھسوٹ اور فراڈ مؤثر اور توانا جذبے بنتے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات سودی قرض لینے والے کی تمام کمائی، وسائل، یہاں تک کہ گھر اور اس میں موجود ضروریاتِ زندگی پر بھی قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ صورتِ حال اس سنگینی کو بھی پہنچ جاتی ہے کہ انسان خودکشی یا بھوک سے بلبلاتے بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی ضرورت مند بیماری، بھوک سے کراہ رہا ہو یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہو، سود خور کی شقاوت وسنگدلی کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ اسے صرف اپنے نفع سے غرض ہوتی ہے۔

دوسرے کی کمائی پر اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے اور سود خور محض مال کے بل بوتے پر بغیر کسی محنت ومشقت کے دوسروں کی کمائی کے ایک معیّن حصے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس کا سرمایہ نہ صرف محفوظ بلکہ بڑھتا رہتا ہے جب کہ مقروض کو ملنے والا نفع بھی بعض اوقات طویل مدّت میں سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ خود غرضی ومفاد پرستی سود خور کا ایمان بن جاتا ہے اور وہ انتہائی خود غرضی سے صرف اپنے منافع پر نظر رکھتا ہے۔ اگر کبھی کساد بازاری کا اندیشہ ہوتا ہے تو فوراً اپنا روپیہ کھینچ لیتا ہے۔

مہنگائی میں اضافہ سودی نظام کا لازمی نتیجہ ہے۔ اشیاء کی قیمت کا تعین کرتے وقت دیگر اخراجات کے ساتھ سود کی ادائیگی کو بھی شامل کیا جاتا ہے جس سے اشیاء کی مجموعی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر خام مال فراہم کرنے والے' اشیاء تیار کرنے والے' مارکیٹ میں فراہم کرنے والے اور فروخت کرنے والے' سب ہی سودی قرضوں پر کام کر رہے ہوں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر سطح پر سود کی وجہ سے کسی شے کی قیمت میں کس قدر اضافہ ہوگا۔

سود کے خاتمے کے بغیر بے روزگاری کا خاتمہ ممکن نہیں۔ سود کسی معاشرے کی صلاحیتِ کار کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے کم سے کم افرادی قوت کو زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس سے بے روزگاری جنم لیتی ہے۔ سرمایہ دار چھوٹے کاروبار کے لیے قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا۔

حکومت کے اخراجات کا بڑھ جانا بھی سود کی خباثت ہی کا نتیجہ ہے۔ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو باور کراتا ہے کہ لوگوں کو روزگار مہیا کرنے اور ان کی قوتِ خرید بڑھانے کے لیے حکومت کو اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے زیادہ رکھنے چاہئیں۔ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ داروں کے اس جال میں گرفتار ہیں۔ اس طرح بجٹ میں خسارے کی تلافی کے لیے انہی سرمایہ داروں سے مزید سودی قرضے لیے جاتے ہیں' جن کا بوجھ بھی بالآخر عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ بھی ہمارے سامنے ہے۔ حکومت وسائل کی کمی کو پورا کرنے کی خاطر مختلف نوعیت کے ٹیکس عائد کرتی ہے۔ ان کے ذریعے وسائل کا حصول نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

بے بسی کا یہ عالَم ہے کہ ماہرینِ معاشیات موجودہ معاشی تباہ کاریوں کا علاج اور حل پیش کرنے سے قاصر ہیں' کیونکہ وہ خود سودی نظام ہی کی پیداوار ہیں۔ چونکہ سود کو دور کرنا انہیں منظور

نہیں' اس لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے تجویز کردہ تمام علاج گرانی اور بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ عصرِ حاضر کے معاشی مسائل کے سامنے ماہرینِ معاشیات کی یہ بے بسی قابلِ رحم بھی ہے اور عبرتناک بھی۔

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ' دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ایک دو دھاری تلوار کی طرح انسانوں کا استحصال کرتی ہے۔ اس سے انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جاتی ہیں۔ سرمایہ داروں کا طبقہ مالِ حرام پر عیش تو کرتا ہے لیکن روحانی سکون سے محروم ہو جاتا ہے' کیونکہ یادِ خدا اور فکرِ آخرت سے غافل رہتا ہے۔ ایک حدیثِ نبویؐ کے مطابق حرام کمائی سے پلنے والا جسم جہنم ہی میں جانے کا حق دار ہے (مسند احمد)۔ غریب کو ضروریاتِ زندگی کی فکر ہر وقت ستائے رکھتی ہے جو اسے آخرت کی تیاری سے بھی بیگانہ رکھتی ہے۔ بلکہ ایک حدیثِ نبویؐ کی رو سے فقر وافلاس انسان کو کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ حالات کی بہتری کے لیے ذیل میں کچھ تجاویز پیش خدمت ہیں :

(۱) اگر کوئی شخص بینک سے قرض لینے یا جمع شدہ رقم پر سود کو جائز قرار دے تو علماء کے موقف کو سامنے رکھ کر اس سے بچیں۔

(۲) اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ قرآن وحدیث میں سود کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ شراب نوشی' خنزیر کھانے اور زنا کاری کے لیے قرآنِ کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جو سود کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

(۳) جس نبی مکرم ﷺ کے امتی ہونے پر ہم فخر کرتے ہیں' انہوں نے سود لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز شک وشبہ والی چیزوں سے بھی بچنے کی تعلیم دی ہے۔

(۴) دنیاوی ضرورتوں کو بینک سے قرضہ لیے بغیر پورا کریں۔ کچھ دشواریاں' پریشانیاں آئیں تو اس پر صبر کریں۔

(۵) بینک میں جمع رقم پر آپ کو جو ''منافع'' مل رہا ہے' اس کو خود استعمال کیے بغیر رفاہی کاموں میں لگا دیں۔ ایسے غرباء ومساکین یا یتیم بچوں میں بانٹ دیں جو کمانے سے عاجز ہیں۔

(۶) اگر سود سے بچنے کی واقعی کوئی شکل نہیں ہے' تو اپنی وسعت کے مطابق اس سے چھٹکارا پانے کی فکر رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔

❁❁❁

سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

تحریر: ارسلان اللہ خان

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ:۲۳)

''(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قرابت داری کے لحاظ کے۔''

ساقیٔ زم زم، ساقیٔ حرمین، سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے چچا تھے۔ آپؓ کا نام عباس اور کنیت آپؓ کے دوسرے بیٹے فضل کی نسبت سے ''ابوالفضل'' ہے۔ آپؓ کی زوجہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا بھی بہت نیک سیرت خاتون تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اُمّ الفضل ہی وہ دوسری خاتون تھیں جو اسلام کے سایۂ عافیت میں آئیں۔ آپؓ کے تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فقیہ اُمّت کے نام سے مشہور ہیں۔ آپؓ کے تیسرے بیٹے کا نام عبیداللہ تھا۔ حضرت عباسؓ کا قد بہت طویل تھا۔ آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپؓ کے کندھے تک آتے تھے۔ آپؓ نہایت درجے کے سخی تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی توسیع کے وقت آپؓ نے اپنا مکان بلا معاوضہ پیش کر دیا۔

''اُسد الغابہ'' میں درج ہے کہ بچپن میں ایک روز حضرت عباسؓ گم ہو گئے۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ حضرت نُطیلہ رضی اللہ عنہا شدید پریشان ہوگئیں اور یہ منّت مانی: ''یا اللہ! میرا بیٹا عباس مجھے مل جائے تو میں تیرے گھر (خانۂ کعبہ) پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گی۔'' چنانچہ جب ننھے عباس مل گئے تو حضرت نُطیلہؓ نے کعبہ شریف پر پہلی مرتبہ دیباج اور ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ واضح رہے کہ خانۂ کعبہ پر پہلی مرتبہ پیارے آقا ﷺ کی ولادت سے کم وبیش ڈیڑھ

سو سال قبل حمیری تہذیب کے علمبردار اور یمن کے بادشاہ تُبّع نے غلاف چڑھایا تھا۔ دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی دُنیا میں تشریف آوری سے کم وبیش نوے سال قبل حضور اکرم ﷺ کے جدِّ امجد حضرت قُصَی بن کلاب نے غلاف چڑھایا تھا۔ لیکن کعبے پر ریشمی غلاف پہلی مرتبہ حضرت عباسؓ کی والدہ حضرت نطیلہؓ ہی نے چڑھایا۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عباسؓ کا شمار عرب کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ آپؓ ایک کامیاب تاجر تھے اور یمن اور دوسرے علاقوں میں تجارت کرتے تھے۔ طائف میں آپؓ کا ایک باغ تھا۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانا حضرت عباسؓ کی ذمّہ داری تھی۔ حاجیوں کے لیے زم زم کا بہترین انتظام کرنے کی وجہ سے عرب کے لوگ آپؓ کو ''ساقیٔ زم زم'' کہتے تھے۔ اسی طرح قبیلے والے آپؓ کو ''ذوالرّائے'' یعنی بہترین رائے والے کہتے تھے اور اپنے معاملات میں آپؓ سے رائے لیتے تھے۔ آپؓ طبعاً فیاض اور سخی تھے۔ آپؓ کے دسترخوان سے بہت سے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپؓ نے قبیلے میں روٹی، کپڑا اور مکان کی ذمّہ داری اپنے سر لی ہوئی تھی۔ روایات میں ملتا ہے کہ حضرتِ عباسؓ نے اگرچہ اوائلِ اسلام میں ہی دل سے حق قبول کر لیا تھا اور آپؓ کی زوجہ اُمِّ فضلؓ بھی ایمان لے آئی تھیں لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور در پردہ اسلام کی ہر ممکن خیر خواہی فرماتے تھے۔

غزوۂ بدر میں حضرت عباسؓ کو نہ چاہتے ہوئے بھی کُفّار کے ہمراہ مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ یہاں تک کہ آپؓ دیگر ستر قیدیوں میں سے ایک تھے۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کو سختی سے باندھ دیا گیا جس کے باعث تکلیف سے کراہنے لگے۔ اُن کی تکلیف کی آواز سن کر رسولِ اکرم ﷺ بہت بے چین ہو گئے اور آپ ﷺ کی نیند اُچاٹ ہوگئی۔ صحابہؓ نے حضرت عباسؓ کی رسّی ڈھیلی کر دی تو وہ سو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: ''اب عباسؓ خاموش کیوں ہو گئے؟'' جب بتایا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کی رسّیاں ڈھیلی کر دی جائیں۔ بعض روایات کے مطابق جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا جانے لگا تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ میرے پاس فدیے کی رقم نہیں ہے۔ اس پر مخبرِ صادق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپؓ نے اپنی زوجہ اُمّ الفضلؓ کے پاس جو رقم رکھوائی تھی.....؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس رقم کے بارے میں تو میرے اور اُمّ الفضل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ وہ سمجھ

گئے کہ رسول اکرم ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اُنہوں نے اُسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ البتہ آپؓ نے کھلم کھلا اسلام قبول کرنے کا اعلان فتح مکّہ سے کچھ عرصہ قبل کیا۔

حضرت عباسؓ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حد درجے عشق تھا۔ غزوۂ خیبر کے بعد آپؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کے لیے ایک نعت لکھی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عباس کہیے! اللہ تعالیٰ آپ کا منہ سلامت رکھے۔'' آپؓ نے ایک طویل نعت کہی۔ فارسی کے معروف شاعر حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنے ایک شعر میں اسی نعت کا مضمون نہایت خوش اسلوبی سے سمیٹا ہے:

اگر نامِ محمد (ﷺ) را نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدمؑ یافتے توبہ، نہ نوحؑ از غرق نجینا

''اگر حضرت محمد ﷺ کے نام کو حضرت آدم علیہ السلام شفیع نہ بناتے تو نہ آدمؑ توبہ کو پاتے اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام غرقابی سے نجات پاتے۔''

حضور ﷺ یہ کہہ کر آپؓ کو بُلاتے تھے: ''میرے باپ حضرتِ عباسؓ کو بُلاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ سے دو سال بڑے تھے اور احترامِ مصطفیٰ ﷺ دیکھیے کہ جب کسی نے پوچھا کہ آپؓ عُمر میں بڑے ہیں یا حضور ﷺ؟ تو آپؓ نے جواب دیا: ''بڑے تو حضور ﷺ ہیں، ہاں میں دو سال قبل پیدا ہوگیا تھا۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی ولادت عام الفیل سے دو سال قبل (مکّہ مکرمہ میں) ہوئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی نگاہ میں ان کا مقام دیکھیں کہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے وقت مدینہ سے آنے والے اسّی نفوس ایک گھاٹی میں حضور اکرم ﷺ سے ملے۔ پیارے آقا ﷺ نے پورے مکّہ سے حضرت عباسؓ کو اس ملاقات کے لیے چنا۔ آپؓ نے اُس وقت مدینہ کے مسلمانوں سے جو خطاب کیا وہ سیرتِ رسول ﷺ کا نہایت اہم اور روشن پہلو ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہجرت کے باب میں یہ خطبہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اس خطبے نے گویا انصار پر واضح کردیا کہ وہ جو ذمہ داری اُٹھا رہے ہیں وہ کس قدر نازک ہے۔ بقول اقبالؒ

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مُشکلاتِ لاالٰہ را!

اور پھر انصار نے بھی جاں فشانی کا ثبوت دیتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق دورِ فاروقیؓ میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو مدینہ سے باہر نکالا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: ''اے اللہ! جب تیرے رسول ﷺ حیات تھے تو ہم اُن کو وسیلہ بناتے تھے اور آج ہم آپؐ کے چچا حضرتِ عباسؓ کو وسیلہ بنا کر آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ حضرتِ عباسؓ نے اپنے ہاتھ دُعا کے لیے بلند کیے تو گھٹائیں جھوم جھوم کر برسیں۔ صرف مدینہ منورہ ہی نہیں مکّہ مکرمہ بھی بارانِ رحمت سے سیراب ہوا۔ اسی بنیاد پر آپؓ کو ''ساقیٔ حرمین'' کہا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی ''مسند'' میں ''مسند عباس'' کے نام سے بہتر احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ کا وصال بتّیس ہجری میں مدینہ میں ہوا اور آپؓ کی تدفین جنّت البقیع میں کی گئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را!
(مرزا مظہرِ جانِ جاناںؒ)

❁❁❁

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اہلِ باطل یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں للکارنے والا دنیا سے اٹھ گیا۔ قرآن کی پکار اور ان کی للکار کا عَلَم بلند رکھنے کا عہد کیجیے۔ ان کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہی انداز تعمیری بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے اپنے فضلِ بے کراں کے تحت درگزر فرمائے، انہیں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ لواحقین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل سے نوازے اور ان کا لگایا ہوا پودا خوب برگ و بار لائے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

❁❁❁

اقسامِ وحی اور قرآن حکیم

پروفیسر حافظ قاسم رضوان

قرآن حکیم کے نام

علامہ ابوالمعالی شافعی نے قرآن کریم کے پچپن (۵۵) نام شمار کیے ہیں' جبکہ بعض اہلِ علم نے ان کی تعداد نوے (۹۰) سے بھی بڑھ کر بتائی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی صفات مثلاً مَجِید' حَکِیم' کَرِیم وغیرہ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچادی ہے' ورنہ صحیح معنوں میں قرآن کریم کے کُل پانچ نام ہیں: القُرآن' الفُرقَان' الذِّکر' الکِتَاب اور التَّنْزِیل۔(سیوطی) خود قرآن مجید نے اپنے لیے یہ پانچوں الفاظ بطور اسمِ عَلَم ذکر کیے ہیں۔ان میں سب سے زیادہ مشہور نام ''قرآن'' ہے' اور اللہ تعالیٰ نے کم از کم اکسٹھ (۶۱) مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔

'قُرآن' دراصل قَرَأَ یَقْرَأُ سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی 'جمع کرنا' کے ہیں' پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنوں میں اس لیے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔(راغب اصفہانی)

قَرَأَ یَقْرَأُ کا مصدر 'قِرَاءَۃٌ' کے علاوہ 'قُرآنٌ' بھی آتا ہے' سورۃ القیامہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾﴾ ''بلاشبہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ہی ذمہ ہے''۔عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔کلام اللہ کو قرآن اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے' یعنی پڑھی ہوئی کتاب۔(الاتقان)

قرآن حکیم کی وجہ تسمیہ

قرآن حکیم کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں' لیکن زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کُفّارِ عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے' وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ﴾ (حٰمٓ السَّجدۃ:۲۶) ''تم اس قرآن کو نہ سنو اور دورانِ تلاوت لغو (لایعنی) باتیں کیا کرو۔'' کُفّار کی ان باتوں کے علی الرغم 'قرآن' نام رکھ کر یہ الہامی اشارہ فرمادیا گیا کہ قرآن

مجید کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے نہیں دبایا جاسکتا' یہ کتاب پڑھنے کے لیے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قرآن عظیم دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔قرآن عزیز کی اصطلاحی تعریف 'التلویح مع التوضیح' میں یوں بیان کی گئی ہے: ھو الکتاب المنزّل علی الرسول ﷺ' المکتوب فی المصاحف' المنقول الینا نقلًا متواترًا بلاشبھۃ ''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا' مصاحف میں لکھا گیا اور آپؐ سے بغیر کسی شبہ کے متواتر نقل ہوا''۔یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

وحی اور اس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے' اس لیے وحی کے بارے میں چند بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے:

(۱) وحی کی ضرورت و اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے لگادیا۔لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں' پہلا یہ کہ وہ چاروں طرف پھیلی کائنات سے ٹھیک ٹھیک کام لے اور دوسرا یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے احکامِ الٰہی کو مدِنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت اور عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول ﷺ) کی مرضی کے خلاف ہو۔ ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو 'علم' کی ضرورت ہے' اس لیے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں تو اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کرسکتا۔ نیز جب تک اسے یہ پتا نہ چلے کہ اللہ کی مرضی اور حکم کیا ہے اور وہ کون سے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے تو اس وقت تک اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مطلوب باتوں کا علم ہوتا رہے۔ ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ' کان' ناک' منہ اور ہاتھ پاؤں' دوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہوجاتی ہیں' بہت سی عقل کے ذریعے اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں' ان کا علم انسان کو بذریعہ وحی عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع کی ترتیب ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے جس سے آگے وہ کام نہیں آتا۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں‘ ان کا علم صرف عقل سے نہیں ہو سکتا‘ مثلاً میرے سامنے ایک انسان بیٹھا ہے‘ مجھے اپنی آنکھ کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ انسان ہے‘ آنکھ نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا رنگ گورا‘ پیشانی چوڑی‘ بال سیاہ‘ ہونٹ پتلے اور چہرہ کتابی ہے۔ لیکن اگر یہی باتیں مَیں اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے سمجھنا چاہوں‘ مثلاً آنکھیں بند کر کے یہ چاہوں کہ سامنے بیٹھے انسان کی رنگت‘ اس کے اعضاء کی صحیح صحیح بناوٹ اور اس کے سراپا کی پوری پوری تصویر مجھے صرف اپنی عقل کے ذریعے معلوم ہو جائے‘ تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں کی جا سکتیں‘ مثلاً مذکورہ شخص کے بارے میں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے‘ نیز یہ بھی علم ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اس وقت نہ اُس کی ماں میرے سامنے ہے اور نہ ہی اُس کے پیدا کرنے والے کو مَیں دیکھ سکتا ہوں‘ لیکن میری عقل بتا رہی ہے کہ یہ شخص بن ماں باپ خود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر مَیں یہ علم اپنی عقل کی بجائے اپنی آنکھ سے حاصل کرنا چاہتا تو یہ بالکل ممکن نہیں‘ کیونکہ اس کی تخلیق اور پیدائش کا منظر دوبارہ میری آنکھوں کے سامنے آ ہی نہیں سکتا۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں‘ وہیں سے عقل کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں‘ بلکہ یہ بھی ایک حد پر جا کے رک جاتی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ تو حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے‘ مثلاً مذکورہ بالا شخص کے بارے میں عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اُسے کسی نے پیدا کیا ہے‘ لیکن اس کو کیوں پیدا کیا گیا‘ اس کے ذمے اللہ کی طرف سے کیا فرائض اور احکامات ہیں‘ اس کا کون سا کام اللہ کو پسند ہے اور کون سا ناپسند‘ تو یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس اکٹھے ہو کر بھی ان کا جواب نہیں دے پاتے۔ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے‘ اسی کا نام ’وحی‘ ہے۔

’وحی‘ انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی کے متعلق ان تمام سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو حواس اور عقل کے ذریعے حل نہیں ہو پاتے‘ لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ مذکورہ تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ ہی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں‘ بلکہ اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی‘ اس لیے یہ بھی

ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو جائے۔ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا نہیں بلکہ حواس کا کام ہے‘ اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم عقل کی بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لیے محض عقل پر بھروسہ قطعاً درست نہیں۔

وحی کا مفہوم: ’وَحْیٌ‘ اور ’اِیْحَاءٌ‘ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی ’جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا‘ کے ہیں‘ خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے‘ خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر‘ خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش استعمال کر کے۔ ہر صورت میں لغت کے حوالے سے اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں (تاج العروس)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سورۂ مریم میں ارشاد ہوا: ﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝۱۱﴾ ”پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو۔“ ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے‘ اس لیے لفظ ’وحی اور ایحاء‘ دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں‘ جیسے سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ....﴾ (آیت ۶۸) ”اور آپؐ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تُو پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنا لے.....“

یہاں تک کہ شیاطین دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں‘ ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے‘ جیسے سورۃ الانعام میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ﴾ (آیت ۱۱۱)

”اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے‘ جن و انس کے شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔“

اسی سورت میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۚ﴾ (آیت ۱۲۱)

”اور بلاشبہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں‘ تاکہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔“

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جو خطاب فرماتے ہیں‘ اسے بھی ’ایحاء‘ کہا گیا ہے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا:

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ﴾ (آیت ۱۲)

''جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے' اسے بھی اسی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ (آیت ۷)

''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اسے دودھ پلاؤ۔''

یہ سب ان دونوں لفظوں (وحی اور ایحاء) کے لغوی معنی ہیں۔ اب شرعی اصطلاح میں ''عمدۃ القاری'' کے مطابق وحی کی تعریف یہ ہے:

کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیائہٖ

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہو۔''

یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ لفظ 'وحی' اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال نبی اور رسول کے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کا کہنا ہے کہ 'وحی' اور 'ایحاء' دو الگ الگ لفظ ہیں اور ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ 'ایحاء' کا مفہوم عام ہے' انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے' لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے' اس کے برخلاف 'وحی' صرف اُس الہام کو کہتے ہیں جو کہ انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز نے لفظ 'ایحاء' کا استعمال تو نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے' لیکن لفظ 'وحی' سوائے انبیاء کے کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ (فیض الباری)

گویا 'وحی' وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے خاص منتخب بندوں تک پہنچاتا ہے اور پھر اس کے ذریعے تمام انسانوں تک۔ چونکہ 'وحی' اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو ہی ہوتا ہے' تو ہمارے لیے اس کی صحیح حقیقت کا ادراک بھی ممکن نہیں' البتہ اس کی اقسام اور کیفیات کے بارے میں کچھ معلومات خود قرآن و حدیث نے فراہم کی ہیں' صرف انہی کو یہاں بیان کیا جا سکتا ہے۔

وحی کی تعلیمات: وحی الٰہی کے ذریعے بندوں کو صرف انہی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو وہ محض اپنی عقل اور حواس سے معلوم نہ کر سکیں۔ یہ باتیں خالص مذہبی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہیں اور عام دنیاوی ضروریات کی بھی۔ انبیاء کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے لیکن حسب موقع معلومات اور ضروریات بھی

بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں' مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا﴾ (ھود: ۳۷)

''اور کشتی بناؤ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری وحی کے (ذریعے ہدایات کے) مطابق۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی کی صنعت بذریعہ وحی سکھائی گئی تھی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت اور حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے خواص کا علم بذریعہ وحی سکھایا گیا' بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ علم طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

وحی کی اقسام

علامہ انور شاہ کاشمیریؒ ''فیض الباری'' میں فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر وحی کی تین قسمیں ہیں:

(ا) وحی قلبی: اس قسم میں باری تعالیٰ براہِ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں۔ اس میں نہ فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ ہی نبی کی قوتِ سامعہ اور حواس کا۔ لہٰذا کوئی بھی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی' بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

(ب) کلامِ الٰہی: اس قسم میں باری تعالیٰ براہِ راست نبی کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔ اس میں بھی کسی فرشتے کا واسطہ تو نہیں ہوتا لیکن نبی کو ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس کا ادراک عقل سے ممکن نہیں۔ جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں۔ وحی کی اس قسم میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے' اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔''

(ج) وحی مَلکی: اس قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اور کلام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے۔ بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا اور صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے' بعض اوقات وہ کسی انسان کی

شکل میں سامنے آ کر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو فرشتہ اپنی اصل صورت میں نظر آ جائے۔

قرآن کریم میں وحی کی انہی تین اقسام کی طرف سورۃ الشوریٰ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ﴾ (آیت ۵۱)

''اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرے' مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام بر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے' جو اللہ چاہے وحی نازل کرے۔''

اس آیت کریمہ میں ﴿وَحْيًا﴾ ''دل میں بات ڈالنے'' سے مراد پہلی قسم یعنی وحی قلبی ہے' ﴿مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ ''پردے کے پیچھے'' سے مراد دوسری قسم یعنی کلامِ الٰہی اور ﴿يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ ''پیغام بر (فرشتے) کو بھیجنا'' سے مراد تیسری قسم یعنی وحی مَلکی ہے۔

حضور ﷺ پر وحی کے طریقے

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَحْيَانًا يَاْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ' وَهُوَ اَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّيْ' وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ' وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ)) ''کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے' پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز سے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے' اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک انسان کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے' پس میں اس کا کہا ہوا یاد کر لیتا ہوں۔'' اس حدیث نبوی سے حضور اقدس ﷺ پر نزولِ وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں:

(۱) صَلْصَلَة الجرس: اس طریقے میں حضور اقدس ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی جیسے گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے' اس لیے پورے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کے بجنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی' بعض علماء کے نزدیک فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا تھا' اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ علامہ خطابی کی رائے کے مطابق یہاں تشبیہ

آواز کے ترنم میں نہیں بلکہ اس کے تسلسل میں ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور کسی جگہ ٹوٹتی نہیں' اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی (فتح الباری)۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں اور ان کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے ابن عربی سے نقل کر کے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے' وہ مذکورہ بالا تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تشبیہ دو اعتبار سے دی گئی ہے۔ ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے جیسے کہ اوپر بیان ہوا۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل بج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے' کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ چونکہ جہت سے اور مکان سے منزّہ ہے' اس لیے کلامِ الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں' لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے (فیض الباری)۔

بہرحال اس تشبیہ کی ٹھیک ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے یا اس کے رسول ﷺ کو' حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی کے اس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ حضور اقدس ﷺ پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ ''وَهُوَ اَشَدُّ عَلَيَّ'' کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا' لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقے میں سب سے زیادہ بار ہوا کرتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کہنے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طور پر مناسبت پیدا ہونی تو لازم ہے۔ اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آ جائے تو حضور ﷺ پر کوئی غیر معمولی بار نہیں پڑتا تھا' صرف کلامِ الٰہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے' بلکہ اس کی آواز یا براہِ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی' اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں حضور ﷺ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں: وَلَقَدْ رَاَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا ''میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی دیکھی ہے' (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی''۔ اسی حوالے سے ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا' چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی

طرح زرد پڑ جاتا' سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپؐ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدّت پیدا ہو جاتی تھی کہ حضور ﷺ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے' وہ آپؐ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا زانوئے مبارک حضرت زید بن ثابت ؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے حضرت زیدؓ کے گھٹنے اور ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ جیسے وہ ٹوٹنے لگی ہو۔ (صحیح البخاری) بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی۔ حضرت عمر فاروق ؓ کا قول ہے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(۲) تمثّل مَلَک: وحی کی دوسری صورت جس کا اس حدیث میں ذکر ہے' وہ یہ ہے کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آ کر حضور ﷺ کو اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا۔ ایسے مواقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام عموماً حضرت دِحیہ کلبی ؓ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ علامہ عینیؒ کا کہنا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت دِحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے' اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔ البتہ بعض مواقع پر حضرت جبرائیل کا دوسری انسانی صورتوں میں آنا بھی ثابت ہے' مثلاً حضرت عمر ؓ کی مشہور روایت (حدیث جبریل) میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ بہرحال اس پر اتفاق ہے کہ جو فرشتہ حضور اکرم ﷺ پر وحی لاتا تھا' وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (آیت ۹۷) ''کہہ دو کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو تو (ہوا کرے)' اسی نے یہ (قرآن) آپ (ﷺ) کے دل پر اُتارا ہے۔'' وحی کی اس صورت میں فرشتہ انسانی شکل میں آیا کرتا تھا اور آپؐ کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ ''الاتقان'' کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے وحی کی اس صورت کا ذکر کر کے فرمایا: ((وَهُوَ اَهْوَنُهٗ عَلَيَّ)) ''اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔''

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

بقیہ: عرضِ احوال

مغربی دنیا صنعتی قابلیت اور مشینوں کی دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے بدترین باطنی بحران میں مبتلا ہے۔''

یہ مغرب کا معاشی نظام ہی تھا جس نے اسے اخلاقی' معاشرتی اور انسانی بحران کا شکار کیا۔ اب اسی نظام کے تحت مسلمان معاشروں کو بھی تباہ کیا جا رہا ہے۔ اگر قائداعظم کے فرمان پر ہو بہو عمل ہوتا تو آج پاکستان میں نہ تو اقتصادی بحران ہوتا' نہ ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے قانون بنتے اور نہ ہی جوائے لینڈ جیسی اخلاق باختہ فلموں کی نمائش ممکن ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سودی نظام کے خلاف پاکستان کے تین اعلیٰ عدالتی فیصلوں کے باوجود ہماری اشرافیہ ملک اور قوم کو اس ابلیسی شکنجے سے آزاد کرنے پر تیار نہیں ہو رہی۔

حل آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی پاک سیرت میں سمجھا دیا ہے کہ جہاں ظلم' جبر اور شیطنت کا راج ہو وہاں کلمہ حق بلند کر کے منکرات کے خلاف کھڑے ہو جاؤ' جس طرح آپ ﷺ نے مکہ میں اشرافیہ کے قائم کیے ہوئے ظلم و استحصال پر مبنی نظام کے خلاف کلمہ حق بلند کیا تھا۔ اس انقلاب کے لیے طائف اور اُحد میں اپنا لہو بہایا' اُحد میں اپنے پیارے ستّر صحابہ کرامؓ کو شہید ہوتے دیکھا' پیٹ پر پتھر باندھے' ہجرت کے مصائب اٹھائے۔ پاکستان کے لیے بھی عظیم ہجرت کی گئی اور بے پناہ قربانیاں دی گئیں' جو درحقیقت اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے تھیں لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کے راستے میں اشرافیہ حائل ہو گئی۔ چنانچہ ایک بار پھر مسلمانانِ پاکستان کو اسی مقصد کے لیے کھڑے ہونا ہو گا جس کے لیے اُن کے باپ دادا نے یہ عظیم قربانیاں دی تھیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ پاکستانی قوم منکرات کے خلاف کھڑی ہو جائے' خاص طور پر جوائے لینڈ اور ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے شیطانی حملوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑی ہو جائے۔ منکرات کے خلاف یہی جِدّ و جُہد پاکستانی قوم کو اس عظیم مقصد سے ہمکنار کرے گی' یعنی ایک اسلامی فلاحی پاکستان جس کا خواب بانیانِ پاکستان اور اس کے لیے ہجرت کرنے والوں نے دیکھا تھا۔

اطلاع برائے قارئین:

جنوری 2023ء سے **میثاق** کا سالانہ زرِتعاون 500 روپے اور فی شمارہ قیمت 50 روپے ہو گی۔

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تالیفات

قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآنِ حکیم اور ہم

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

عظمت مصطفیٰ ﷺ، مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت نبویؐ کے انقلابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

مجلد 500 روپے، غیر مجلد 300 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 350 روپے

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

اشاعت خاص 225 روپے، اشاعت عام 150 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجئے

حقیقت و اَقسامِ شرک

اشاعت خاص 160 روپے، اشاعت عام 80 روپے

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

سُورۃُ الحَدید

(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح

اشاعت خاص 500 روپے، اشاعت عام 225 روپے

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 180 روپے

مکتبہ خدام القرآن

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور

فون 3-35869501 (042)

ای میل maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ www.tanzeem.org

Dec. 2022
vol.71

Regd. CPL No.115
No.12

Monthly **Meesaq** Lahore